محمد ﷺ خاتم النبيين - أردو

مختصر سیرت

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

تعاوني الزلفي

المكتب التعاوني للدعوة والإرشاد وتوعية الجاليات بالزلفي

206

هاتف: ٤٢٣٤٤٦٦ ٠٦ فاكس: ٤٢٣٤٤٧٧ ٠٦

مختصر السيرة النبوية

ترجمه للغة الأردية

المكتب التعاوني للدعوة والإرشاد

و توعية الجاليات بالزلفي

الطبعة الأولى: ١٤٣٥/٣هـ

ح المكتب التعاوني للدعوة والإرشاد و**توعية الجاليات بالزلفي**

فهرسة مكتبة الملك فهد الوطنية أثناء النشر

المكتب التعاوني للدعوة والإرشاد **وتوعية الجاليات بالزلفي**

مختصر السيرة النبوية- الزلفي، ١٤٣٥هـ

ردمك: ٠-٥٤-٨٠١٣-٦٠٣-٩٧٨

(النص باللغة الأردية)

١ - السيرة النبوية أ- العنوان

ديوي ٢٣٩ ١٤٣٥/٩٤٦

رقم الايداع: ١٤٣٥/٩٤٦

ردمك: ٠-٥٤-٨٠١٣-٦٠٣-٩٧٨

الصف والإخراج : **المكتب التعاوني للدعوة والإرشاد**

وتوعية الجاليات بالزلفي

مختصر سیرت رحمۃ للعالمین ﷺ

بعثت محمدی سے پہلے عرب کی حالت:

اُس وقت عربوں کا معروف دین بُت پرستی تھا' کیونکہ عرب دین حنیف چھوڑ چکے تھے اس لیے بت پرستی کا شکار ہو گئے' اس زمانے کو جاہلیت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ جن بتوں کو پوجا جاتا تھا اُن میں سے مشہور بتوں کے نام تھے: لات' عزیٰ' مناۃ اور ہبل۔ کچھ عربوں کا دین یہودیت' عیسائیت اور مجوسی بھی تھا۔ ان میں سے بہت ہی تھوڑے لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت ''ابرہیمیت'' پر قائم تھے۔

اقتصادی صورت حال: صحرانشین بادیہ' جانور پالتے تھے اور چراگاہوں میں چراتے تھے' البتہ دیہاتوں اور شہروں میں رہنے والے زراعت وتجارت میں مشغول رہتے تھے۔ ظہورِ اسلام سے پہلے مکہ مکرمہ جزیرہ عربیہ کا تجارتی مرکز تھا۔ طائف اور مدینہ منورہ جیسے بعض متمدن شہر بھی تھے۔ اس معاشرے میں ظلم و زیادتی بہت زیادہ تھی' کمزور کا کوئی حق نہیں مانا جاتا تھا' لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیا جاتا تھا' عزتیں لوٹ لی جاتیں تھیں' طاقتور کمزور کا حق ہڑپ کر جاتا تھا' بلاحدود متعدد عورتوں سے نکاح کیا جاتا تھا' زنا عام تھا' معمولی معمولی باتوں پر قبائل کے درمیان جنگ چھڑ جاتی تھی' بسا اوقات ایک ہی قبیلہ آپس میں لڑ پڑتا تھا۔ اسلام کی آمد سے پہلے جزیرہ عربیہ کے بارے میں یہ مختصر سی تصویر ہے۔

دو ذبیحوں(۱) کی اولاد:

کثرتِ اولاد اور کثرتِ مال کی وجہ سے قریش آپ ﷺ کے دادا جناب عبدالمطلب پر فخر کیا کرتے تھے۔ حضرت عبدالمطلب نے نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ انہیں دس نرینہ بچے عنایت کرے تو وہ کسی ایک کو بتوں کو راضی کرنے کے لیے ذبح کر دے گا' ان کی آرزو پوری ہو گئی اور اُن کو دس نرینہ بچے عطا ہوئے' جن میں سے ایک حضور اکرم ﷺ کے والد گرامی جناب عبداللہ بھی تھے۔ جب جناب عبدالمطلب نے اپنی نذر پوری کرنا چاہی تو اپنے بچوں کے درمیان قرعہ اندازی کی' تو جناب عبداللہ کا نام نکل آیا' جب عبدالمطلب نے آپ ﷺ کے والد گرامی کو ذبح کرنا چاہا تو لوگ آڑے آ گئے تاکہ انہیں اس کام سے منع کریں' کہیں یہ کام لوگوں میں سنت رواج ہی نہ بن جائے' بالآخر اس بات پر اتفاق ہوا کہ عبداللہ اور دس اونٹوں میں قرعہ نکالا جائے' اس طرح یہ حضرت عبد اللہ کا فدیہ بن جائیں گے۔ جب قرعہ نکالا تو دوبارہ نام حضرت عبداللہ کا نکل آیا' تو انہوں نے اونٹوں کی تعداد دوگنی کر دی' پھر بھی قرعہ میں حضرت عبداللہ

---

(۱) حضور اکرم ﷺ کے جد امجد حضرت اسماعیل علیہ الصلاۃ والسلام کو ایک خواب کی وجہ سے حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے ذبح کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ آپ کے بدلے اللہ تعالیٰ نے ایک دنبہ بھیج دیا اور حضرت اسماعیل ذبح نہ ہوئے۔ اور بعد میں جناب عبدالمطلب نے آپ ﷺ کے والد بزرگوار کو ذبح کرنا چاہا جو نہ ہو سکا' اسی لئے آپ ﷺ کو ''دو ذبیحوں'' کی اولاد کہا جاتا ہے۔ (اضافہ از ابو عبدالرحمٰن شبیر بن نور)

ہی کا نام نکلا' اس طرح اونٹوں کی تعداد بڑھاتے گئے اور قرعہ میں نام حضرت عبداللہ کا نکلتا رہا' بالآخر اونٹوں کی تعداد سو ہوگئی' اب قرعہ اونٹوں کے نام نکل آیا' اس طرح جناب عبدالمطلب نے سو اونٹوں کا نذرانہ پیش کیا اور اپنے بیٹے عبداللہ کا فدیہ دیا۔

باقی بیٹوں کی بہ نسبت جناب عبدالمطلب کو حضرت عبداللہ سے دلی لگاؤ زیادہ تھا بالخصوص سو اونٹ کا فدیہ دینے کے بعد۔ جب حضرت عبداللہ بڑے ہوئے تو جناب عبدالمطلب نے آپ کے لیے بنی زہرہ قبیلے کی بچی ''آمنہ بنت وہب'' کا انتخاب کیا' اور اُن سے آپ کا نکاح ہوگیا' اور حضرت آمنہ کو حمل ہوگیا' حضرت آمنہ کے حاملہ ہونے کے تین ماہ بعد حضرت عبداللہ تجارتی قافلے کے ساتھ شام روانہ ہوئے' واپسی میں آپ بیمار پڑ گئے' چونکہ بنی نجار آپ کا ننھیالی خاندان تھا اس لیے وہیں رک گئے' وہیں آپ نے وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔

حمل کے مہینے مکمل ہوئے' اور آپ ﷺ کی ''سوموار'' کے دن پیدائش ہوئی' البتہ آپ ﷺ کی پیدائش کا مہینہ اور تاریخ صحیح طور پر معلوم نہیں ہوسکا' ایک روایت کے مطابق آپ کی پیدائش ۹ ربیع الاول کو ہوئی' دوسری روایت کے مطابق بارہ ربیع الاول کو' تیسری روایت کے مطابق رمضان المبارک میں' ان کے علاوہ بھی روایات موجود ہیں اور یہ واقعہ ۵۷۱ء میں ہوا۔ اسی سال کو ''عام

الفیل'' بھی کہا جاتا ہے۔ (وہ سال جس میں ہاتھیوں والوں نے مکہ مکرمہ پر چڑھائی کی تھی۔)

ہاتھیوں کا واقعہ:

ہوا یوں کہ یمن میں نجاشی کے گورنر ابرہہ نے دیکھا کہ عرب مکہ میں جا کر خانہ کعبہ کا حج کرتے ہیں' اس کو عظمت دیتے ہیں اور دور دور سے چل کر وہاں پہنچتے ہیں' چنانچہ صنعا میں ایک بہت بڑا کنیسہ تعمیر کیا' تا کہ عرب کے حاجی مکہ مکرمہ کی بجائے یہاں صنعا آئیں۔ کنانہ قبیلے کے ایک آدمی کو اس کنیسے کی خبر ہوئی' رات کو وہاں پہنچا اور کنیسے کی دیواروں کو گندگی سے لیپ دیا' جب ابرہہ کو اس واقعے کا علم ہوا تو غصے سے بھڑک اٹھا اور ساٹھ ہزار پر مشتمل ایک عظیم لشکر تیار کیا' ان کے ساتھ نو ہاتھی بھی تھے' یہ لشکر مکہ مکرمہ کی طرف چل پڑا تا کہ خانہ کعبہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دے اور سب سے بڑا ہاتھی اپنے ذاتی استعمال کے لیے رکھ لیا۔ جب یہ لشکر مکہ مکرمہ کے قریب پہنچ گیا' تو ابرہہ نے لشکر کو مکہ مکرمہ میں داخل کرنے کے لیے لیس کر دیا' لیکن بڑا ہاتھی بیٹھ رہا اور آگے بڑھنے سے انکار کر دیا۔ جب اُس کا رخ کسی دوسری طرف کرتے تو اٹھ کر تیزی سے چلنے لگتا' اور جونہی اس کا رخ خانہ کعبہ کی طرف کرتے' دھڑام سے بیٹھ جاتا۔ یہ لوگ اسی الجھن کا شکار تھے کہ اللہ تعالیٰ نے پرندوں کا جھنڈ بھیج دیا' جو جہنم کی آگ میں تپائی ہوئی کنکریاں اُن کو مار رہا تھا' ہر پرندہ تین کنکریاں

اٹھائے ہوئے تھا' ایک کنکری چونچ میں اور دو کنکریاں دونوں پاؤں میں جو کہ چنے کے برابر تھیں' جس کسی کو بھی کنکری لگتی اُس کے اعضاءِ جسم ٹوٹ کر گر جاتے' بالآخر مر جاتا۔ یہ لوگ بھاگے' اور راستے میں ہلاک ہوتے رہے' کوئی یہاں گرا' کوئی وہاں گرا' اللہ تعالیٰ نے ابرہہ کو اس قسم کی بیماری لگا دی جس سے اُس کی انگلیاں جھڑ گئیں' صنعاء تک پہنچتے پہنچتے بیماری نے اس پر بُری طرح قبضہ کرلیا تھا' بالآخر وہاں پہنچ کر مر گیا۔ البتہ قریش کے قبائل اِدھر اُدھر وادیوں میں پھیل گئے' اور پہاڑوں میں پناہ لی تاکہ اتنے عظیم لشکر سے اپنے آپ کو بچالیں' جب انہیں معلوم ہوا کہ لشکر کا انجام برا ہوا ہے تو پُر امن طریقے سے اپنے گھروں کو واپس آگئے۔ یہ واقعہ آپ ﷺ کی پیدائش سے پچاس دِن پہلے پیش آیا۔

آپ ﷺ کی پرورش:

آپ ﷺ کو پیدائش کے بعد ابولہب کی لونڈی ''ثویبہ'' نے دودھ پلایا' وہ اس سے پہلے آپ ﷺ کے چچا حمزہ بن عبدالمطلب کو بھی دودھ پلا چکی تھی' اس اعتبار سے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے ''دودھ بھائی'' بھی ہوئے۔ عربوں کا طریقہ رہا ہے کہ وہ اپنے بچوں کو صحرائی زندگی میں رکھ کر دودھ پلانے کا اہتمام کرتے تھے' اس لیے کہ صحراء میں بدنی صحت کا بہتر اہتمام ممکن ہے۔ اسی مقصد کی خاطر آپ ﷺ بھی دوسری دودھ پلانے والی

کے پاس پہنچ گئے۔ ہوا یوں کہ جن دنوں آپ ﷺ کی پیدائش ہوئی صحرا سے بنی سعد قبیلے کی عورتیں مکہ مکرمہ آئیں تا کہ ایسے بچوں کو تلاش کریں جن کو دودھ پلا سکیں' اور عورتیں گھروں میں گھومنے لگیں۔ غریبی اور یتیمی کی وجہ سے تمام عورتوں نے آپ ﷺ میں دلچسپی نہیں لی' دوسری عورتوں کی طرح حلیمہ سعدیہ نے بھی آپ ﷺ میں دلچسپی ظاہر نہیں کی' جب حلیمہ سعدیہ نے دوسرے گھروں کا چکر لگایا تو کسی کھاتے پیتے گھرانے کا بچہ پانے میں کامیاب نہ ہوسکیں جو ان کی کمزور مالی حالات' غریبی کی شدت کو ہلکا کر سکے بالخصوص اُس سال جس میں کہ قحط سالی بڑھ گئی تھی، چنانچہ حلیمہ نے کم مزدوری پر غریب ویتیم بچے کو قبول کرنے کے لیے وہ دوبارہ آمنہ کے گھر چلی آئیں' حضرت حلیمہ اپنے خاوند کے ساتھ کمزور گدھی پر سوار ہو کر مکہ مکرمہ آئی تھی' جس کی چال بھی بہت کمزور تھی' البتہ واپسی پر جب محمد ﷺ حلیمہ کی گود میں تھے یہی نحیف سی گدھی تیز تیز دوڑ رہی تھی' حتیٰ کہ اُس نے سب سواریوں کو پیچھے چھوڑ دیا' یہاں تک کہ سارے ساتھی تعجب کرنے لگے۔ حضرت حلیمہ سعدیہ بیان کرتی ہیں کہ ان کو دودھ بہت کم آتا تھا' ان کا اپنا دودھ پیتا بچہ بھوک کی شدت سے رو رو کر بے حال ہو جاتا تھا' جونہی اُس نے آپ ﷺ کو دودھ پلانا شروع کیا تو اُن کے سینے میں خوب دودھ اتر آیا۔ نیز بیان کرتی ہیں کہ بنی سعد کے قبیلے کے علاقے میں خشک سالی تھی' جونہی یہ مبارک بچہ دودھ پینے کے بہانے اس

علاقے میں آیا' تو زمین سے بھی خوب سرسبزی ابھری اور جانور بھی خوب موٹے تازے ہو گئے' اور اُن کا حال خشک سالی اور غریبی سے بدل کر خوشحالی اور فراوانی ہو گیا۔

آپ ﷺ نے حلیمہ کے ساتھ دو سال گذارے' وہ آپ کا از حد خیال رکھتی تھیں' اُسے احساس تھا کہ اس بچے کو غیر معمولی حالات نے گھیر رکھا ہے' دو سال گزرنے کے بعد حلیمہ سعدیہ آپ ﷺ کو لے کر آپ کی والدہ اور دادا کے پاس مکہ مکرمہ آئیں۔ چونکہ حلیمہ سعدیہ آپ ﷺ کی ایسی برکت دیکھ چکی تھیں جس نے سارے حالات کو بدل ڈالا تھا' چنانچہ انہوں نے حضرت آمنہ سے پرزور انداز میں درخواست کی کہ محمد دوبارہ ان کے ساتھ ہی رہیں گے۔ چنانچہ حضرت آمنہ نے حضرت حلیمہ کی درخواست منظور کر لی' اس طرح حضرت حلیمہ سعدیہ آپ ﷺ کو لے کر دوبارہ قبیلہ بنی سعد پہنچ گئیں' وہ خوشی سے پھولے نہ سماتی تھیں اور اپنی خوش قسمتی پر ناز کر رہی تھیں۔

شق صدر کا واقعہ

آپ ﷺ کی عمر تقریبا چار سال تھی' ایک دن ایسا ہوا جبکہ آپ اپنے رضاعی بھائی کے ساتھ کھیل رہے تھے اور اپنی رہائش سے ذرا دور تھے' جناب حلیمہ سعدیہ کا بیٹا دوڑتا ہوا آیا' پریشانی اُس کے چہرے سے عیاں تھی' اور اپنی ماں سے کہا کہ قریشی بھائی (محمد ﷺ) کی مدد کو پہنچیں۔ ماں نے بیٹے سے پوچھا

کہ معاملہ کیا ہے؟ اُس نے بیان کیا کہ: دو آدمی سفید کپڑوں میں ملبوس آئے اورانہوں نے بھائی کو پکڑ لیا' اور اُسے لٹا کر اُس کا سینہ چیر دیا۔ ابھی بچے نے اپنی بات بھی پوری نہ کی تھی کہ حضرت حلیمہ آپ ﷺ کی طرف دوڑ پڑی' کیا دیکھتی ہے کہ آپ ﷺ اپنی جگہ چپ چاپ کھڑے ہیں' چہرہ پیلا ہے' رنگ بدلا ہوا ہے' حضرت حلیمہ نے آپ سے واقعہ کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے بتایا میں بخیریت ہوں' آپ ﷺ نے بتایا کہ دو آدمیوں نے جو سفید کپڑوں میں ملبوس تھے' مجھے پکڑا اور میرا سینہ چیر دیا' میرا دل نکالا اور ایک کالا سا لوتھڑا نکال کر اسے پھینک دیا' پھر دِل کو ٹھنڈے پانی سے دھویا' اُسے دوبارہ اپنی جگہ لگا دیا' پھر سینہ بند کر دیا' اس کے بعد چلے گئے اور نظروں سے اوجھل ہوگئے۔ حضرت حلیمہ آپ ﷺ کو لے کر اپنی رہائش گاہ پر آئیں' اگلے دن صبح سویرے آپ کو لے کر مکہ پہنچ گئیں' حضرت حلیمہ کی بے وقت آمد پر حضرت آمنہ کو حیرانگی ہوئی حالانکہ حضرت حلیمہ بچے میں خاصی دلچسپی رکھتی تھیں۔ حضرت آمنہ نے سبب دریافت کیا تو انہوں نے شق صدر کا سارا معاملہ بتا دیا۔

والدہ اور دادا کی وفات:

حضرت آمنہ اپنے یتیم بچے کو لے کر مدینہ منورہ میں بنی نجار میں اپنے بھائیوں کے ہاں چلی گئیں اور وہاں چند دن قیام فرمایا' مکہ کی طرف واپسی میں ''ابواء'' کے مقام پر آپ کی وفات ہوگئی اور وہیں دفن ہوئیں۔ اس طرح چھ

سال کی عمر میں آپ ﷺ نے اپنی والدہ محترمہ کو الوداع کہہ دیا' (والدہ محترمہ کی وفات کے بعد آپ کے دادا حضرت عبدالمطلب نے آپ کو گود لے لیا)

اب یہ ذمہ داری آپ کے دادا عبدالمطلب پر آ گئی' انہوں نے آپ ﷺ کا بیحد خیال رکھا' آپ کی پرورش کی' تربیت کی' شفقت دی' اس طرح جب آپ کی عمر آٹھ سال تھی تو دادا بھی فوت ہو گئے۔ اب آپ کی پرورش کی ذمہ داری حضرت ابو طالب کی طرف منتقل ہوگئی' حضرت ابو طالب مالی طور پر کمزور تھے اور خاندان بڑا تھا' پھر بھی آپ نے خود اور آپ کی بیوی نے آپ ﷺ کو سگے بچوں کی طرح پالا' اس وجہ سے آپ کو اپنے چچا سے خاصا دلی تعلق ہو گیا تھا۔ ان حالات میں آپ نے ابتدائی پرورش پائی' آپ نے سچائی اور امانت کے اصولوں پر تربیت حاصل کی' حتیٰ کہ صادق وامین کے لقب سے معروف ہو گئے' اگر معاشرے میں یہ کہا جائے کہ صادق وامین آیا ہے تو سب کو معلوم تھا کہ اس سے مراد آپ ﷺ ہی ہیں۔

تجارت اور شادی:

جونہی آپ ﷺ تھوڑے بڑے ہوئے تو زندگی کے معاملات کو خود سنبھالنے لگے' اور اپنی کمائی کرنے لگے' آپ ﷺ نے کام اور کمائی کا سلسلہ شروع کر دیا' چنانچہ تھوڑی سی مزدوری پر اپنے ہم قبیلہ قریشیوں کی بکریاں چرانے لگے۔ ملکِ شام کی طرف جانے والے تجارتی قافلوں میں شریک

ہوئے، جن میں خدیجہ بنت خویلد کا بہت بڑا حصہ ہوتا تھا' خدیجہ بیوہ اور مالدار خاتون تھیں' میسرہ نامی غلام خدیجہ کے کاروبار کا انچارج اور مینیجر تھا۔ حضور اکرم ﷺ کی برکت اور امانت کے طفیل ریکارڈ توڑ منافع ہوا' اس عظیم منافع کا سبب جب خدیجہ نے اپنے مینیجر سے دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ محمد بن عبد اللہ ہی بیچتے اور سودا کرتے تھے' اور لوگ جوق در جوق آپ کے پاس چلے آتے تھے' کسی پر ظلم کئے بغیر خوب منافع کمایا۔ خدیجہ نے میسرہ کی باتوں کو خوب دھیان سے سنا حالانکہ خدیجہ بھی آپ ﷺ کے بارے میں کچھ کچھ جانتی تھی۔ چنانچہ خدیجہ کو بہت خوشی ہوئی اور آپ سے نکاح کا پختہ ارادہ کرلیا۔ خدیجہ نے اپنی ایک سہیلی کو آپ ﷺ کے پاس بھیجا تا کہ اس معاملے میں آپ کی رائے معلوم کر سکے' اس وقت آپ ﷺ کی عمر پچیس سال تھی۔ اس عورت نے خدیجہ کی طرف سے آپ کو پیغام نکاح دیا جسے آپ نے قبول فرمالیا اور اس طرح نکاح مکمل ہوگیا۔ دونوں میاں بیوی آپس میں خوش تھے' اور حضور اکرم ﷺ نے حضرت خدیجہ کے مال سے تجارت کرنی شروع کردی اور اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوایا۔ جونہی سال بہ سال گزرتے گئے' اور حضرت خدیجہ کے بطن سے بچے پیدا ہوتے رہے' زینب' رقیہ' ام کلثوم' اور فاطمہ نامی بیٹیاں پیدا ہوئیں اور لڑکوں میں قاسم اور عبداللہ پیدا ہوئے اور یہ دونوں بچپن ہی میں وفات پا گئے۔

نبوت:

آپ ﷺ کی عمر شریف چالیس سال کو پہنچ رہی تھی کہ آپ غار حراء میں جا کر تنہائی اور خلوت کی زندگی گذارنے لگے۔ غار حراء مکہ مکرمہ سے مشرق میں واقع پہاڑ میں ہے۔ آپ ﷺ مسلسل کئی کئی راتیں رہ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے' ادھر رمضان المبارک کی اکیسویں تاریخ تھی' آپ ﷺ غار میں ہی تھے اور چالیس سال کی عمر مکمل ہو چکی تھی' حضرت جبریل علیہ السلام آپ کے پاس تشریف لائے' جبریل نے آپ ﷺ سے کہا: ''پڑھئے''۔ آپ نے فرمایا: میں پڑھا ہوا نہیں ہوں' جبریل علیہ السلام نے دوسری اور تیسری بار یہی کہا اور آپ نے بھی وہی جواب دیا' تیسری بار جبریل علیہ السلام نے کہا:

﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ ، خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ، اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ ، الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ، عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ﴾

''پڑھو (اے نبی) اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا۔ جمے ہوئے خون کے ایک لوتھڑے سے انسان کی تخلیق کی۔ پڑھو اور تمہارا رب بڑا کریم ہے' جس نے قلم کے ذریعے سے علم سکھایا' انسان کو وہ علم دیا جسے وہ نہ جانتا تھا''۔ (العلق)

پھر وہ فرشتہ وہاں سے چلا گیا' رسول اکرم ﷺ اس کے بعد غار میں ٹھہر نہ سکے اور گھر چلے آئے' جب اپنی بیوی حضرت خدیجہ کے پاس پہنچے تو اُن کا دل

دھک دھک کر رہا تھا آپ ﷺ نے فرمایا: "زَمِّلُونی، زَمِّلُونی" (مجھے کپڑا اڑھاؤ' مجھے کپڑا اڑھاؤ!) آپ ﷺ کو کپڑا اوڑھنے کو دیا گیا' بالآخر خوف و وحشت کی کیفیت ختم ہوگئی' چنانچہ آپ نے حضرت خدیجہ کو سارا ماجرا کہہ سنایا' پھر فرمایا: مجھے تو اپنی جان کا خطرہ لاحق ہوگیا تھا' حضرت خدیجہ نے ڈھارس بندھاتے ہوئے کہا: "قسم بخدا' اللہ تعالیٰ کبھی بھی آپ کو ناکام نہیں کرے گا' آپ کی تو شان یہ ہے کہ صلہ رحمی کرتے ہیں' لوگوں کا بوجھ بانٹتے ہیں' محروموں کو عطا کرتے ہیں' مہمان داری کرتے ہیں' جائز مشکلات میں لوگوں کا سہارا بنتے ہیں۔[صحیح البخاری ۳ وصحیح مسلم ۱۶۰]

کچھ دنوں کے بعد آپ ﷺ دوبارہ غار حراء عبادت کے لیے تشریف لائے' جب آپ عبادت سے فارغ ہوئے تو مکہ مکرمہ جانے کے لیے غار سے واپس چل پڑے' جب آپ وادی میں پہنچے تو حضرت جبریل امین کرسی پر بیٹھے زمین وآسمان کے درمیان نظر آئے تو جبریل امین نے ان آیات کی وحی کی۔

﴿يَاأَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ، قُمْ فَأَنْذِرْ، وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ، وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ، وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ، وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ﴾ (المدثر ۱-۶)

"اے اوڑھ لپیٹ کر لیٹنے والے! اٹھو اور خبردار کرو' اپنے رب کی بڑائی کا اعلان کرو' اور اپنے کپڑے پاک رکھو' اور گندگی سے دور رہو"۔

اس کے بعد سلسلہ وحی چل پڑا اور پے در پے وحی آتی رہی۔

جب آپ ﷺ نے اپنی دعوت وتبلیغ کا آغاز کیا' تو آپ کی محترم شریک

حیات نے ایمان کی پکار پر لبیک کہا' اللہ تعالیٰ کی توحید کی گواہی دی' حضور اکرم ﷺ کی نبوت کو تسلیم کیا' اور سب سے پہلے مسلمان ہونے کا اعزاز حاصل کیا۔ حضور اکرم ﷺ نے اپنے جگری دوست ابوبکر سے بات کی تو وہ بھی ایمان لے آئے' آپ کی تصدیق کی اور ذرا برابر بھی ہچکچاہٹ کا مظاہرہ نہیں کیا۔ چونکہ حضرت ابو طالب نے حضور اکرم ﷺ کی والدہ اور دادا کی وفات کے بعد آپ کو پالا تھا تو آپ نے بھی (جب اپنے پیر پر کھڑے ہوئے تو) وفاداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے چچازاد بھائی علی کو پالنا شروع کر دیا اور اُن پر خرچ کرتے رہے' اس ماحول میں اللہ تعالیٰ نے حضرت علی کو شرحِ صدر عطا کیا اور وہ بھی مسلمان ہو گئے' ان حضرات کے بعد حضرت خدیجہ کے غلام زید بن حارثہ مسلمان ہو گئے۔ حضور اکرم ﷺ خفیہ دعوت دیتے رہے' اور مسلمان بھی اپنا اسلام چھپاتے رہے' اس لیے کہ صورت حال یہ تھی کہ جب کسی کے مسلمان ہونے کی خبر قریش کو مل جاتی تو اُسے شدید ترین سزا دیتے تا کہ وہ اسلام سے واپس آ جائے۔

اعلانیہ دعوت:

جب رسول اللہ ﷺ نے انفرادی اور خفیہ دعوت و تبلیغ کے تین سال پورے کر لیے تو اللہ تعالیٰ نے حکم دے دیا:

﴿فَاصۡدَعۡ بِمَا تُؤۡمَرُ وَاَعۡرِضۡ عَنِ الۡمُشۡرِكِيۡنَ﴾ (الحجر ٩٤)

''جس چیز کا آپ کو حکم مل چکا ہے اُس کو کھلے بندوں بیان کر دیجئے اور مشرکوں سے منہ پھیر لیجئے''۔

ایک روز آپ ﷺ صفا پہاڑی پر کھڑے ہو کر اہل مکہ کو پکارنے لگے' اور بہت سارے لوگ اکٹھے ہو گئے' ان لوگوں میں آپ کا چچا ابو لہب بھی شامل تھا' جو کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم ﷺ کی دشمنی میں سب سے آگے تھا۔ جب لوگ اکٹھے ہو چکے تو فرمایا: ''تم کیا کہتے ہو' اگر میں یہ کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے دشمن تمہاری تاک میں ہے تو کیا تم میری بات کو سچ مانو گے؟ لوگوں نے جواب دیا: ہمارے تجربے میں تو آپ صرف صادق و امین ہی ثابت ہوئے ہیں۔ اب آپ ﷺ نے فرمایا: ''سخت ترین عذاب سے پہلے پہلے میں تمہاری طرف ڈرانے والا بن کر آیا ہوں''۔ اس کے بعد آپ ﷺ لوگوں کو اللہ کی طرف بلانے لگے' اور جو بت پرستی وہاں کے رواج میں تھی اُس کی تردید کرنے لگے۔ وہاں موجود ابو لہب پھٹ پڑا اور کہا: (معاذ اللہ) تیرا ستیاناس! کیا اس کام کے لیے ہمیں اکٹھا کیا تھا؟ تو اللہ تعالیٰ نے ابو لہب کے بارے میں ایسی سورت اتار دی جو قیامت تک تلاوت ہوتی رہے گی' فرمایا:

﴿تَبَّتْ يَدَآ اَبِي لَهَبٍ وَّتَبَّ ، مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ، سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ، وَامْرَاَتُهٗ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ، فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ﴾ (المسد) [صحیح البخاری تفسیر سوة المسد]

''ابو لہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے' اور وہ خود ہلاک ہو گیا' نہ تو اس کا

مال اس کے کام آیا اور نہ اُس کی کمائی' وہ عنقریب بھڑکنے والی آگ میں
جائے گا' اور اُس کی بیوی بھی جائے گی جو کہ لکڑیاں ڈھونے والی ہے''۔

نبی اکرم ﷺ دعوت وتبلیغ پر ڈٹے رہے اور جہاں بھی لوگوں کا اجتماع نظر آتا انہیں برملا دعوت دیتے' خانہ کعبہ کے پاس نماز ادا کرتے' لوگوں کے اجتماعات میں شریک ہوتے' دعوتِ اسلام پہنچانے کے لیے مشرکوں کے بازاروں میں بھی جاتے' اور بہت پریشانی اور تکلیف برداشت کرتے۔ جو لوگ آپ ﷺ پر ایمان لے آتے مشرکین انہیں بھی خوب سزا دیتے۔ متعدد واقعات میں سے چند ایک کا خلاصہ یوں ہے کہ حضرت یاسر' حضرت سمیہ اور ان کے بیٹے حضرت عمار (رضی اللہ عنہم) کو اس قدر عذاب دیا کہ یاسر اور سمیہ سزا کی سختی کی وجہ سے شہید ہو گئے' اور حضرت سمیہ اسلام کی پہلی شہید خاتون ہیں۔ حضرت بلال بن رباح حبشی رضی اللہ عنہ کو بھی امیہ بن خلف اور ابوجہل کے ہاتھوں شدید سزا و تکلیف کا سامنا رہا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ذریعہ حضرت بلال مسلمان ہوئے تھے' جب حضرت بلال کے مالک امیہ بن خلف کو ان کے اسلام کا علم ہوا تو اُس نے ہر قسم کے سزا کے طریقے آزما لیے تاکہ بلال اسلام کو چھوڑ دے' حضرت بلال نے بات ماننے سے انکار کیا اور اپنے دین پر ڈٹے رہے۔ امیہ حضرت بلال کو زنجیروں میں جکڑ کر مکہ مکرمہ سے باہر لے جاتا' اور اُن کے سینے پر بھاری پتھر رکھ دیتا' انہیں گرم تپتی ریت پر گھسیٹتا اور خود اور کارندوں کے ذریعے کوڑوں کی بارش کر دیتا۔ حضرت

بلال ایک ہی لفظ بار بار دھراتے "اَحَـد اَحَـد" ۔اس حال میں ایک مرتبہ انہیں حضرت ابوبکر نے دیکھ لیا' آپ نے حضرت بلال کو امیہ سے خرید کر اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر آزاد کر دیا۔

اس قسم کے مشکل حالات میں حکمت کے تقاضے کے تحت اللہ کے رسول ﷺ نے مسلمانوں کو اسلام کے اظہار سے منع فرمادیا' اسی لیے آپ ﷺ صحابہ کرام سے تنہائی میں ملتے تھے' اگر آپ برملا صحابہ کرام سے ملتے تو مشرکین آڑے آتے اور دعوت وتعلیم کا معاملہ رک جاتا' ممکن ہے کہ اس طرح دو گروہوں میں ٹکراؤ بھی پیدا ہوتا۔ چونکہ مسلمانوں کی تعداد بھی تھوڑی تھی اور وسائل بھی کمزور تھے تو ٹکراؤ کی صورت میں مسلمان مکمل طور پر ملیا میٹ ہو جاتے' چنانچہ حکمت کا تقاضا یہ تھا کہ در پردہ دعوت کا کام کیا جائے' البتہ رسول اکرم ﷺ کا معاملہ یہ تھا کہ مشرکوں کی شدید ایذا رسانی کے باوجود مشرکوں کے سامنے کھلے عام دعوتِ دین اور عبادتِ رب کا فریضہ انجام دیتے تھے۔

ہجرت حبشہ:

جن حضرات کے اسلام کی خبر مشرکین کو مل جاتی اُسے مسلسل سزا دیتے رہتے بالخصوص معاشرے کے کمزور افراد کو۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے حضور اکرم ﷺ سے درخواست کی کہ انہیں نجاشی کے پاس حبشہ کی طرف ہجرت کی اجازت دے دیں' جہاں صحابہ کرام کو امن کی امید تھی' بالخصوص جبکہ

بہت سارے صحابہ کو اپنی جان اور اپنے خاندان کی جان کے لالے پڑ رہے تھے' تو آپ ﷺ نے انہیں اجازت دے دی' اور یہ واقعہ نبوت کے بعد پانچویں سال کا ہے۔ چنانچہ تقریبا ستر حضرات اپنے بیوی بچوں سمیت ہجرت حبشہ کر گئے' ہجرت کرنے والوں میں حضرت عثمان بن عفان' ان کی اہلیہ رقیہ بنت الرسول ﷺ بھی شامل تھیں' قریشیوں نے پوری کوشش کی کہ وہاں بھی انہیں چین سے نہ بیٹھنے دیں' وہاں کے بادشاہ کی خدمت میں انہوں نے تحائف پیش کئے' اور مطالبہ کیا کہ ان لوگوں کو اہل مکہ کے حوالہ کیا جائے' اہل مکہ نے الزام لگایا کہ مسلمان حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کی والدہ محترمہ کو برا بھلا کہتے ہیں' جب نجاشی نے مسلمانوں سے حقیقت دریافت کی تو انہوں نے وضاحت میں قرآن حکیم کا بیان کہہ سنایا' صحیح بات کی وضاحت کی اور حضرت عیسی علیہ السلام اور آپ کی والدہ محترمہ کے بارے میں سورت مریم میں جو کچھ نازل ہوا ہے اُس کی تلاوت کردی۔ نجاشی نے مسلمانوں کی بات کی تائید کی اور انہیں قریشیوں کے حوالے کرنے سے انکار کردیا' خود ایمان لے آیا اور اپنے ایمان کا اعلان کردیا۔

<u>انوکھا واقعہ</u>: اسی سال رمضان المبارک کا واقعہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ حرم شریف میں تشریف لائے' اور لوگوں کے درمیان کھڑے ہوکر سورت النجم کی تلاوت کرنے لگے' اور وہاں قریشیوں کا جم غفیر بھی موجود تھا' ان کافروں نے

پہلے کبھی قرآن حکیم کی تلاوت نہیں سنی تھی' اس لیے کہ ان کافروں کے درمیان باہم معاہدہ تھا کہ محمد (ﷺ) کی کوئی بات نہ سنی جائے۔ جب اچانک ان لوگوں کے سامنے اس سورت مبارکہ کی تلاوت آ گئی' اور رس گھولتے کلام الٰہی نے ان کے کانوں کو رسیلے کلام سے آشنا کیا' ہر شخص کان لگا کر سننے لگا' اور اس آواز کے علاوہ اُسے کچھ سنائی نہ دے رہا تھا' اور جب آپ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی: ﴿فَاسْجُدُوا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوا﴾ (النجم: ٦٢) ''اپنے رب کے سامنے سجدہ کرو اور اسی کی عبادت کرو''۔ آپ ﷺ نے سجدہ کیا اور سب کے سب بے اختیار سجدے میں گر گئے۔

معاشرتی بائیکاٹ: قریش مسلسل نبی اکرم ﷺ کی دعوت کے خلاف محاذ آرائی کرتے رہے' اور روز نت نئے انداز سے تکلیف دیتے' پریشان کرتے' دھمکیاں دیتے اور کبھی لالچ بھی دیتے' یہ سارے ہتھکنڈے مسلمانوں کو اپنے دین سے مزید قریب کرتے رہے اور اہل ایمان کی تعداد بڑھتی رہی۔ اب کافروں نے اسلام کے خلاف دشمنی کا ایک نیا محاذ کھول لیا' انہوں نے باہمی معاہدہ لکھا' اس پر سب نے دستخط کیے اور اُسے خانہ کعبہ کے اندر لٹکا دیا' سب کے سب اس بات پر متفق ہو گئے کہ مسلمانوں کا اور بنی ہاشم کا معاشرتی بائیکاٹ کیا جائے' ان کے ساتھ خرید و فروخت' نکاح' اور ہر طرح کا تعاون ختم کر دیا جائے۔ مسلمان مجبوراً مکہ مکرمہ سے نکل کر شعب ابی طالب میں قیام پذیر

ہو گئے‘ اس جگہ مسلمانوں کو شدید مشکلات سے واسطہ پڑا‘ ہر طرح کی تکلیف‘ سختی اور بھوک برداشت کرنی پڑی‘ صاحب حیثیت حضرات نے اپنا سارا مال مسلمانوں پر لٹا دیا‘ حتیٰ کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنا سارا مال خرچ کر دیا‘ وبائی امراض پھیل گئیں‘ بہت سارے لوگ موت کے کنارے پہنچ گئے‘ لیکن سب لوگ ڈٹے رہے اور صبر کرتے رہے‘ کوئی ایک بھی اپنے دین کو چھوڑ کر پیچھے نہیں ہٹا‘ تین سال تک مسلسل یہ بائیکاٹ جاری رہا‘ حتی کہ قریشیوں میں سے چند سر کردہ حضرات نے آواز اٹھائی اور یہ لوگ بنی ہاشم کے قریبی رشتہ دار تھے‘ انہوں نے علی الاعلان معاہدہ سے دست برداری کا اظہار کر دیا‘ جب معاہدہ نامہ خانہ کعبہ سے نکال کر دیکھا گیا تو معلوم ہوا کہ دیمک سارے معاہدے کو چٹ کر گئی ہے بس اللہ تعالیٰ کا اسم گرامی باقی ہے‘ اس طرح یہ مشکل وقت ختم ہوا‘ بنو ہاشم اور مسلمان مکہ مکرمہ کو واپس پلٹ آئے‘ لیکن قریش حسب سابق مسلمانوں کو ستانے کے لیے اپنے ظالمانہ کردار پر ڈٹے رہے۔

غموں کا سال:

شدید ترین بیماری حضرت ابو طالب کے جسم میں سرایت کر گئی‘ اس طرح آپ ﷺ کے چچا صاحب فراش ہو گئے‘ چند ہی دن گزرے تھے کہ موت کی ہچکیوں نے آ گھیرا‘ حضور اکرم ﷺ ان کے سرہانے بیٹھ کر مرنے سے پہلے پہلے ”لا الٰہ الا اللہ“ کے اقرار کا مطالبہ کرتے رہے‘ لیکن دوسرے کا فرشتہ

دار بالخصوص ابوجہل انہیں اسلام قبول کرنے سے منع کرتے رہے۔ یہ لوگ کہہ رہے تھے' کیا تو آباء واجداد کے دین کو چھوڑ رہا ہے؟ کیا تو عبدالمطلب کی ملت سے منہ موڑ رہا ہے؟ یہ لوگ اسی طرح انہیں کوستے رہے حتیٰ کہ شرک پر ہی ابو طالب کی وفات ہوئی' حضور اکرم ﷺ کو حضرت ابو طالب کی وفات کا شدید رنج ہوا اور اس لیے بھی کہ اُن کی وفات شرک پر ہوئی تھی۔ ابو طالب کی وفات کے دو ہی ماہ بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا دارِ فانی سے کوچ کر گئیں' جس کا حضور اکرم ﷺ کو بے انتہا افسوس اور رنج ہوا' نتیجتاً ان دونوں کی وفات کے بعد کافروں کی طرف سے آپ ﷺ کی ایذا رسانی بہت بڑھ گئی۔

سفر طائف:

جب قریش کی سرکشی' فرعونیت' اور مسلمانوں کو ایذارسانی کا معاملہ بہت بڑھ گیا' تو حضور اکرم ﷺ نے طائف جانے کا پروگرام بنایا کہ شاید اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت عطا کر دے۔ طائف کا سفر کچھ آسان معاملہ نہیں تھا' ایک طرف تو اونچے اونچے پہاڑوں میں گھیرا ہونے کی وجہ سے طائف تک کا راستہ انتہائی مشکل تھا' دوسری طرف اہل طائف کی طرف سے استقبال اور دعوت کے مقابلے میں جواب انتہائی تکلیف دہ تھا' ان لوگوں نے آپ کی بات پر کان نہیں دھرے بلکہ بری طرح دھتکار دیا' اور آپ ﷺ کے پیچھے اوباش بچوں کو لگا دیا' ان بچوں نے آپ ﷺ کو اس قدر پتھر مارے کہ خون بہہ بہہ کر آپ کی ایڑیاں

مبارک خون آلودہو گئیں۔ انہی مشکل حالات میں آپ ﷺ نے مکہ مکرمہ واپسی کا فیصلہ فرمایا۔ آپ ﷺ سخت پریشان اور غمگین تھے' اسی حال میں جبریل امین پہاڑوں کے فرشتے سمیت تشریف لائے' حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا:

((إنّ اللّٰه بعَث إليک ملکَ الجبالِ لِتأمره بما شئتَ))
''اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کے فرشتے کو آپ کی طرف بھیجا ہے' آپ اسے جو چاہیں حکم کریں''۔

پہاڑوں کے فرشتے نے کہا:

((یامحمد' إن شئتَ أن أطبق علیهم الأخشبین)) ''اے محمد (ﷺ)! اگر آپ پسند کریں تو میں ان دونوں پہاڑوں کو اس قوم پر اکٹھا کر دوں؟''

تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((بل أرجو أن یخرج اللّٰه مِن أصلابهم مَن یعبُد اللّٰهَ وحدَهُ لا یشرک به شیئًا)) ''بلکہ میں تو یہ یقین رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی نسلوں سے ایسے لوگ پیدا فرمائے گا جو صرف ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں گے اور اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے''۔

[صحیح البخاری ۳۲۳۱، وصحیح مسلم ۱۷۹۵]

حالانکہ آپ ﷺ کو ان لوگوں کی طرف سے شدید تکلیف پہنچ چکی تھی پھر بھی آپ نے اپنی قوم کے حق میں صبر اور شفقت کا مظاہر فرمایا۔

اور چاند دو ٹکڑے ہو گیا!!

مشرکین مکہ مسلسل حضور اکرم ﷺ سے معجزات دکھانے کے بارے میں اصرار کرتے رہتے تھے کہ ایسے معجزے دکھائیں جن کو دیکھ کر انہیں آپ کی صداقت کا یقین آ جائے' اور یہ مطالبہ بار بار ہو چکا تھا۔ ایک دفعہ انہوں نے مطالبہ کر دیا کہ آپ چاند کو دو ٹکڑے کر دکھائیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی' تو اللہ تعالیٰ نے معجزے کو ظاہر کر دکھایا اور چاند دو ٹکڑے ہو گیا' قریش نے یہ نشانی دیر تک دیکھی اس کے باوجود ایمان نہیں لائے' بلکہ کہنے لگے محمد نے ہم پر جادو کر دیا ہے' ایک آدمی نے کہا: ''اگر محمد نے تم پر جادو کیا ہے تو سب لوگوں پر تو جادو نہیں کر سکتا''۔ تو قریشی باہر سے آنے والوں کی خبر کا انتظار کرنے لگے' جب باہر سے مسافر لوگ آئے اور قریشیوں نے واقعہ کی تصدیق چاہی تو انہوں نے جواب دیا' ہاں! ہم نے یہ ماجرا دیکھا ہے۔ ایسی روشن مثال اور نشانی دیکھنے کے باوجود بھی قریشیوں نے انکار کیا اور اپنے کفر پر ڈٹے رہے۔

اسراء و معراج:

سخت مایوسی کے عالم میں حضور اکرم ﷺ طائف سے واپس آئے۔ اس سے پہلے ابو طالب کی وفات ہو چکی تھی' فوراً بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا رحلت فرما چکی تھیں' ان حالات میں قریشیوں کے مظالم بھی مسلمانوں پر بڑھ چکے تھے' اس طرح غموں نے ہر طرف سے آپ ﷺ کو گھیر رکھا تھا۔ ایسے

حالات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تسلی واطمینان کا سامان ہوگیا' ایک رات کو آپ ﷺ آرام کررہے تھے' حضرت جبریل علیہ السلام براق سمیت تشریف لائے' براق گھوڑے کی مانند جانور ہوتا ہے' اس کے دو پر ہوتے ہیں' بجلی کی مانند تیز سفر کرتا ہے' آپ ﷺ کو اس سواری پر بٹھایا اور فلسطین میں بیت المقدس تک لے آئے۔ اور وہاں سے آپ ﷺ آسمان کی طرف پرواز کرگئے' اور اللہ تعالیٰ کی بہت ساری نشانیاں دیکھیں' اور آسمان پر ہی آپ ﷺ پر پانچ نمازیں فرض کی گئیں' اور اسی رات آپ ﷺ واپس مکہ تشریف لے آئے اور آپ کا دل خوش اور مطمئن ہو چکا تھا' یقین مزید پختہ ہو چکا تھا۔ اسی بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِهٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا الَّذِیۡ بٰرَکۡنَا حَوۡلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنۡ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ﴾ (الإسراء ١)

''پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے کو رات ہی رات میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک سیر کروائی جس کے اردگرد کو ہم نے بابرکت بنا رکھا ہے تاکہ ہم اُسے اپنی نشانیوں کا نظارہ کروائیں' یقیناً اُس کی ذات سمیع وبصیر ہے''۔

اگلے دن صبح کو آپ ﷺ خانہ کعبہ گئے' اور لوگوں کو سابقہ رات کا ماجرا کہہ سنایا' نتیجتاً کافر مزید سختی سے آپ کی تردید کرنے لگے اور مزید مذاق اڑانے

لگے۔ وہاں موجود کسی نے دریافت کیا کہ آپ ہمارے سامنے بیت المقدس کی شکل بیان کریں‘ وہ آپ کو جھوٹا ثابت کرنا چاہتے تھے‘ تو آپ ﷺ نے بیت المقدس کے ایک ایک حصے کی تفصیلات سے انہیں آگاہ کر دیا۔ مشرکین اس جواب پر مطمئن نہیں ہوئے‘ بلکہ انہوں نے دوسری دلیل کا بھی مطالبہ کر دیا‘ تو آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے راستے میں ایک قافلہ مکہ مکرمہ کی طرف آتے دیکھا ہے۔ آپ ﷺ نے قافلے کا مکمل تعارف بیان کر دیا‘ کہ اتنے اونٹ ہیں اور اس وقت پہنچے گا۔ آپ ﷺ نے تو ہر بات صحیح صحیح کہہ سنائی لیکن کافر اپنی گمراہی اور ڈھٹائی پر جمے رہے اور آپ ﷺ کی بات نہ مانی۔ اسراء سے اگلی صبح حضرت جبریل امین علیہ السلام تشریف لائے اور آپ کو پانچوں نمازوں کا طریقہ اور اوقات سکھائے‘ اس سے پہلے صبح کو دو رکعت نماز تھی اور شام کو دو رکعت نماز تھی۔

اس موقع پر آپ ﷺ نے اپنی دعوت صرف مکہ مکرمہ آنے والوں کے لیے مخصوص کر رکھی تھی‘ جبکہ اہل مکہ نے حق کے خلاف دشمنی کی قسم کھالی تھی‘ حضور اکرم ﷺ آنے والوں کے پاس اُن کے پڑاؤ کی جگہ جاتے‘ اسلام کو اُن کے سامنے پیش کرتے اور اس کی وضاحت کرتے‘ دوسری طرف آپ ﷺ کا چچا ابولہب آپ کے پیچھے پیچھے رہتا اور ان لوگوں کو آپ ﷺ سے اور آپ کی دعوت سے بدگمان کرتا‘ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ ایک جماعت مدینہ منورہ (اُس وقت کے یثرب) سے آئی‘ آپ ﷺ نے انہیں اسلام کی دعوت دی‘ انہوں

توجہ سے آپ کی بات سنی' پھر وہ لوگ آپ ﷺ پر ایمان لائے اور آپ کی پیروی کرنے پر متفق ہو گئے' کیونکہ اہل مدینہ نے یہودیوں سے سُن رکھا تھا' کہ ایک نبی آنے والا ہے اور اُس کا زمانہ بھی قریب ہے' جب آپ ﷺ نے انہیں دعوتِ اسلام دی تو انہوں نے پہچان لیا کہ یہ تو وہی نبی ہے جس کا یہودی تذکرہ کیا کرتے ہیں' چنانچہ وہ جلدی سے مسلمان ہو گئے' آپس میں کہنے لگے کہ کہیں یہودی ہم سے اس بارے میں آگے نہ بڑھ جائیں۔ وہ چھ آدمی تھے' اگلے سال مدینہ منورہ سے بارہ آدمی آئے' وہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے انہیں اسلام کی تعلیم دی' جب یہ لوگ مدینہ منورہ جانے لگے' تو آپ نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو ان کے ہمراہ کر دیا تا کہ حضرت مصعب اہل مدینہ کو قرآن سکھائیں اور دین کے احکام بتائیں' اللہ تعالیٰ کی نصرت و توفیق سے حضرت مصعب نے اہل مدینہ پر خوب محنت کی اور ایک سال کے بعد مکہ مکرمہ لوٹے تو اُن کے ساتھ اہل مدینہ میں سے بہتر (۷۲) مرد اور دو عورتیں تھیں' یہ لوگ حضور اکرم ﷺ سے ملے اور ان لوگوں نے دین کی مدد کی خاطر آپ ﷺ سے عہد کیا' اور اُس دین کو قائم کرنے کی حامی بھری۔ اس کے بعد یہ لوگ مدینہ منورہ پلٹ گئے۔

دعوت کا نیا ٹھکانہ

حق اور حق کو ماننے والوں کے لیے مدینہ منورہ نئی اور پُر امن پناہ گاہ بن گیا' چنانچہ مسلمانوں نے وہاں کے لئے ہجرت کرنا شروع کیا، ادھر قریشیوں

نے عزم جازم کر رکھا تھا کہ مسلمانوں کو ہجرت مدینہ سے روکے رکھنا ہے' مہاجرین نے اس سلسلے میں قسم قسم کی تکلیفیں اور صعوبتیں برداشت کیں' چنانچہ مسلمان قریش کے خوف سے چھپ چھپا کر ہجرت کرتے تھے' حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی آپ ﷺ سے ہجرت کی اجازت طلب کرتے رہتے تو آپ بار بار یہی کہتے: ''جلدی مت کرو' شاید اللہ تعالیٰ تم کو ساتھی عطا کر دے''۔ حتیٰ کہ مسلمانوں کی اکثریت ہجرت کر گئی۔

جب قریشیوں نے دیکھا کہ مسلمانوں کی طاقت مدینہ منورہ میں اکٹھی ہو رہی ہے تو وہ بالکل پاگل ہو گئے' آپ ﷺ کی دعوت اور مقام کی ترقی سے خوف کھانے لگے' انہوں نے آپس میں مشورہ کیا اور بالآخر وہ لوگ معاذ اللہ حضور اکرم ﷺ کو قتل کرنے پر متفق ہو گئے۔ ابو جہل نے مشورہ پیش کیا کہ ہم ہر قبیلے سے ایک کڑیل جوان کو تلوار تھما دیں' یہ سب مل کر محمد کا گھیراؤ کر لیں اور یک بارگی حملہ کر دیں (نقل کفر کفر نباشد) اس طرح محمد کا خون تمام قبائل میں تقسیم ہو جائے گا' اس واقعے کے بعد بنو ہاشم تمام لوگوں سے تو دشمنی لینے سے رہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے کافروں کی اس سازش کو آپ ﷺ کے سامنے بے نقاب کر دیا' تو اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بعد حضور اکرم ﷺ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر ہجرت کرنے کا پروگرام بنایا' رات کو حضور اکرم ﷺ نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ کے بستر پر سو رہیں' تاکہ لوگوں کو

یہی مغالطہ رہے کہ آپ ابھی تک گھر میں موجود ہیں۔

سازش کرنے والے اکٹھے ہو کر آ گئے اور گھر کو چاروں طرف سے گھیر لیا' انہوں نے فی الواقع حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بستر پر موجود پایا لیکن اُن کا یقین تھا کہ یہ محمد ہی ہیں' تو یہ لوگ آپ کے نکلنے کا انتظار کرنے لگے' تا کہ یک بارگی آپ پر حملہ کر کے قتل کر دیں' جب حضور اکرم ﷺ ان کی صفوں کو چیرتے ہوئے گھر سے نکلے تو وہ گھیراؤ کر چکے تھے' آپؐ نے ان کے سروں پر مٹی ڈالی' اللہ تعالیٰ نے ان کی نظروں کو اُچک لیا اور ان لوگوں کو آپ کی تشریف آوری کا کچھ پتا نہ چلا۔ اس طرح آپ ﷺ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاں پہنچ گئے' گھر سے مدینہ منورہ کے لیے اکٹھے نکلے' اور غار ثور میں جا کر چھپ گئے' ادھر قریش کے نوجوان صبح تک آپ کے نکلنے کا انتظار کرتے رہے' جب صبح کو حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے بستر سے اٹھے تو اُن کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضور اکرم ﷺ کے بارے میں دریافت کیا کہ کہاں گئے ہیں؟ تو حضرت علی نے کچھ نہ بتایا' انہوں نے حضرت علی کو مارا' گھسیٹا لیکن کچھ نتیجہ نہ نکلا' اس کے بعد قریش نے ہر طرف آپ ﷺ کو تلاش کرنے کے لیے آدمی روانہ کر دیئے۔ اور جو کوئی محمد (ﷺ) کو زندہ یا مردہ (معاذ اللہ) لے آئے اُس کے لیے سو اونٹوں کا انعام مقرر کر دیا۔ آپ ﷺ کو تلاش کرنے والے اس غار کے دہانے تک پہنچ گئے جس میں آپ ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ پناہ

لیے ہوئے تھے' اگر ان میں سے کوئی آدمی اپنے پاؤں والی جگہ کو دیکھتا تو آپ دونوں کو دیکھ لیتا۔ اب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ کے بارے میں فکر بڑھ گئی' تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((ما ظنک یا أبابکر باثنین اللّٰہ ثالثھما؟ لا تحزن إنّ اللّٰہ معنا)) [صحیح البخاری وصحیح مسلم]

''اے ابوبکر! تمہارا کیا خیال ہے جہاں دو ہوں اور ان کے ساتھ تیسرا اللہ تعالیٰ ہو؟ غم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے''۔

لیکن لوگ انہیں دیکھ نہ پائے' آپ ﷺ اور آپ کے ساتھی ابوبکر رضی اللہ عنہ غار میں تین دن تک رہے' اس کے بعد مدینہ منورہ کی چل پڑے' راستہ لمبا تھا' گرمی سخت تھی' دوسرے دِن شام کو ان دونوں کا گزر ایک عورت کے خیمہ کے پاس سے ہوا جسے اُمّ معبد کہا جاتا تھا' انہوں نے عورت سے کھانے پینے کا کہا' تو اس عورت کے پاس کچھ نہ پایا' بس ایک کمزور سی بکری تھی جو کمزور جان کی وجہ سے چراگاہ نہیں جا سکتی تھی' ایک قطرہ دودھ اُس میں نہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ اس کے پاس گئے' اس کے تھنوں کو چھوا تو دودھ بہہ نکلا' آپ نے اسے دوہا اور ایک بڑا برتن بھر گیا' یہ منظر دیکھ کر اُمّ معبد ششدر رہ گئیں' سب نے سیر ہو کر پیا' پھر آپ ﷺ نے دوبارہ دوہا اور برتن پھر بھر گیا' اسے اُم معبد کے پاس چھوڑ دیا اور اپنے سفر پر نکل پڑے۔

اور ادھر اہل مدینہ روزانہ مدینہ منورہ سے باہر نکل کر آپ ﷺ کی آمد کا

انتظار کرتے رہتے تھے‘ جب آپ ﷺ کی تشریف آوری کا دن تھا تو سب لوگ خوشی خوشی اور مرحبا مرحبا کی صدائیں بلند کرتے ہوئے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے‘ اور آپ ﷺ نے مدینہ منورہ کے جنوب میں واقع قباء میں نزول فرمایا‘ جہاں چار دِن ٹھہرے اور مسجد قباء کی بنیاد رکھی اور اسلام میں یہ پہلی مسجد تھی۔ پانچویں روز آپ ﷺ مدینہ منورہ کی طرف چل پڑے‘ کئی انصاری صحابہ نے کوشش کی کہ آپ ﷺ کی مہمان نوازی کی سعادت حاصل کریں‘ یہ لوگ آپ ﷺ کی اونٹنی کی مہار پکڑ رہے تھے‘ دوسری طرف آپ ﷺ ان لوگوں کے جذبات کا شکریہ ادا کر کے کہہ رہے تھے: ((دعوها فإنها مأمورة)) ’’اسے چھوڑ دیں‘ اسے راہنمائی مل چکی ہے‘‘۔ جب اونٹنی اس جگہ پہنچی جہاں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا تو بیٹھ گئی‘ اور آپ ﷺ ابھی اترے بھی نہیں تھے تو دوبارہ اٹھ گئی اور آگے چل پڑی‘ پھر پلٹ کر اپنی جگہ آ گئی‘ اور بیٹھ گئی‘ اُس وقت آپ ﷺ اونٹنی سے اتر گئے اور یہی جگہ مسجد نبوی کے لیے منتخب ہوگئی۔ آپ ﷺ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے ہاں مہمان ٹھہرے۔ ادھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کے بعد تین دن تک مکہ مکرمہ میں ٹھہرے رہے‘ جو جو امانتیں آپ ﷺ کے پاس تھیں انہیں امانت والوں تک پلٹا دیا‘ پھر مدینہ منورہ کو چل پڑے اور قبا میں جا کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضری دی۔

آمد مدینہ:

جس جگہ آپ ﷺ کی اونٹنی بیٹھی تھی اس جگہ کو خرید کر آپ ﷺ نے مسجد بنادیا' آپ ﷺ نے مہاجرین (جو لوگ مکہ سے گھر بار چھوڑ کر آپ کے ساتھ آئے تھے) اور انصار (جن اہل مدینہ نے آپ ﷺ کو اور مہاجر صحابہ کو پناہ دی تھی) کے درمیان بھائی چارہ قائم کردیا' اس طرح کہ ایک انصاری ساتھی کو ایک مہاجر کا بھائی قرار دے دیا' جو اُس کے مال میں بھی اس کا شریک ہوگیا' اور مہاجر و انصار مل کر کام کرنے لگے' اور اُن کے درمیان بھائی چارے کی فضا مضبوط ہوگئی۔

مکہ کے قریشیوں اور یہودیوں کے درمیان تعلقات پہلے سے موجود تھے' قریشی یہودیوں کے ذریعے سے مسلمانوں کے درمیان تفریق ڈالنے کی کوشش کرتے رہتے تھے' نیز مکہ کے قریشی مسلمانوں کو دھمکاتے تھے کہ اُن کو بالکل ختم کرکے دم لیں گے' اس طرح مسلمان داخلی اور خارجی طور پر دہرے خطرے میں گھرے ہوئے تھے' حالات اس حد تک پریشان کُن ہوگئے تھے' کہ صحابہ کرام ہتھیار ساتھ رکھ کر سوتے تھے' ایسے پریشان کن حالات میں اللہ تعالیٰ نے جہاد کی اجازت نازل فرمادی۔ اب رسول اللہ ﷺ ادھر اُدھر فوجی دستے بھیجنے لگے' تاکہ دشمن کی نقل و حرکت کی خبر رکھی جاسکے' اس کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ

نے تجارتی قافلوں پر بھی دباؤ بڑھانا شروع کر دیا' تاکہ ان لوگوں کو مسلمانوں کی طاقت کا احساس ہو' اور کافر بھی باہمی پُر امن رہنے کی بات کریں اور مسلمانوں کو آزادی کے ساتھ دعوت وتبلیغ کا موقع مل جائے۔ ساتھ ساتھ حضور اکرم ﷺ نے بہت سارے قبائل کے ساتھ معاہدے کیے اور ایک دوسرے کے حلیف بنے۔

غزوۂ بدر

آپ ﷺ نے طے کرلیا کہ شام سے آنے والے تجارتی قافلے کا راستہ روکا جائے' تو آپ تین سو تیرہ ساتھیوں کو لے کر نکلے' ان لوگوں کے پاس صرف دو گھوڑے اور ستر اونٹ تھے اور قریشیوں کا تجارتی قافلہ ہزار ونٹ پر مشتمل تھا' جس کا سربراہ ابوسفیان تھا اور اُس کے ساتھ صرف چالیس آدمی تھے۔ ابوسفیان کو علم ہوگیا کہ مسلمان اُس کے مقابلے کے لیے آرہے ہیں' ابو سفیان نے مکہ والوں کو پیغام بھیج کر صورت حال سے مطلع کر دیا' اور امداد کی اپیل کی' اور خود دوسرے راستے سے نکل گیا اور مسلمان اُس کو نہ پاسکے' دوسری طرف قریش مکہ ایک ہزار لڑاکو جوانوں کو لے کر نکلے' ادھر ابوسفیان کا ایلچی بھی آگیا جس نے بتایا کہ قافلہ بچ کر نکل آیا ہے۔ ابوسفیان کا پیغام تھا کہ واپس مکہ چلے جائیں' لیکن ابوجہل نے واپس جانے سے انکار کر دیا اور سفر جاری رکھا۔

جب رسول اکرم ﷺ کو خبر ہوئی کہ قریش چڑھائی کرنے نکل پڑے ہیں تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم سے مشورہ کیا' تو بالاتفاق فیصلہ یہ تھا کہ دشمنوں کا مقابلہ کیا جائے اور اُن سے جنگ کی جائے۔ سن ۲ ہجری سترہ رمضان المبارک کو دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا اور شدید جنگ ہوئی' بالآخر مسلمانوں کی جیت پر معرکہ مکمل ہوا' چودہ مسلمان شہید ہوئے' ستر مشرک مارے گئے اور ستر ہی قید ہوئے۔ انہی دنوں میں حضرت رقیہ بنت رسول (رضی اللہ عنہا) نے وفات پائی' آپ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ تھیں' حضور اکرم ﷺ کی سفارش پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں رک گئے تھے اور غزوۂ بدر میں شریک نہیں ہوئے تھے تاکہ اپنی بیمار بیوی کے ساتھ رہ سکیں۔ معرکہ بدر کے بعد حضور اکرم ﷺ نے اپنی دوسری بیٹی ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کر دیا' اسی لیے حضرت عثمان کو ذوالنورین کہا جاتا ہے کہ آپ ﷺ کی دو بیٹیاں حضرت عثمان کے نکاح میں رہی ہیں۔

معرکہ بدر کے بعد مسلمان شاداں و فرحاں مدینہ منورہ کو لوٹے کیونکہ انہیں اللہ تعالیٰ کی مدد مل چکی تھی۔ مسلمانوں کو قیدی بھی ملے اور مال غنیمت بھی ملا۔ جنگی قیدیوں میں سے کسی نے نقد فدیہ دے کر جان خلاصی کروائی' کسی کو بغیر فدیے کے بھی چھوڑ دیا گیا' کسی کا فدیہ یہ مقرر ہوا کہ وہ دس مسلمان بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دے۔

غزوۂ اُحد

غزوۂ بدر کے ٹھیک ایک سال بعد مسلمانوں اور کفارِ مکہ کے درمیان یہ معرکہ بپا ہوا' غزوہ بدر کی شکست کا بدلہ چکانے کے لیے کافروں نے ٹھان لی تو تین ہزار جنگجو جوانوں کا لشکر لے کر نکلے' اور سات سو مسلمانوں نے اُن کا مقابلہ کیا' ابتداء میں مسلمانوں کو کافروں پر فتح نصیب ہوئی' اور کافر مکہ مکرمہ کی طرف بھاگنے لگے' لیکن دوبارہ پلٹ آئے اور پہاڑی کے دامن سے مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے۔ یہ وہی پہاڑی ہے جس پر رسول اللہ ﷺ نے تیراندازوں کو مقرر کیا تھا' غنیمتیں اکٹھی کرنے کے لیے یہ لوگ بھی پہاڑی سے اتر آئے' اس طرح کافروں کا پلہ مسلمانوں پر بھاری رہا۔

غزوۂ خندق

معرکہ احد کے بعد یہودیوں کا وفد اہل مکہ کے ہاں گیا' اور مسلمانوں کے خلاف مدینہ منورہ پر چڑھائی کی ترغیب دی' اور ہر طرح کی امداد کا وعدہ کیا' کافروں نے وفد یہود کی بات مان لی' پھر یہودیوں نے دوسرے قبائل کو بھی بھڑکایا کہ مسلمانوں کا مل جل کر قلع قمع کر دیا جائے' انہوں نے بھی اتفاق کیا' تو ہر طرف سے کافر و مشرک مدینہ منورہ کا رخ کرنے لگے' اس طرح دس ہزار کا لشکر جرار مدینہ منورہ پر چڑھ دوڑا۔

حضور اکرم ﷺ بھی دشمنوں کی سازشوں سے باخبر تھے' تو آپ نے

صحابہ کرام سے مشورہ کیا، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ مدینہ منورہ کے جس طرف پہاڑ نہیں ہیں اُس طرف خندق کھود دی جائے۔ تمام مسلمان خندق کی کھدائی میں شریک ہو گئے، اس طرح جلد ہی یہ منصوبہ مکمل ہو گیا، نتیجتاً مشرکین مدینہ منورہ سے باہر ہی تقریباً ایک مہینہ خیمہ لگائے پڑے رہے، وہ خندق پار نہیں کر سکتے تھے، آخر میں اللہ تعالیٰ نے سخت تیز آندھی بھیجی جس کی وجہ سے مشرکوں کے خیمے اکھڑ گئے۔ کافر خوف سے گھبرا اٹھے، اور جلد ہی کوچ کر گئے، اور اپنے اپنے علاقوں کو پلٹ گئے، تنہا اللہ تعالیٰ نے تمام لشکروں کو شکست دی اور مسلمانوں کی مدد فرمائی۔

غزوہ فتح مکہ:

سن ۸ ہجری کو آپ ﷺ نے فیصلہ کیا کہ مکہ مکرمہ پر چڑھائی کر کے اُسے فتح کیا جائے، چنانچہ ۱۰ رمضان المبارک کو دس ہزار جاں نثار مجاہد صحابہ کرام کے ساتھ نکلے اور بغیر جنگ کے ہی مکہ مکرمہ میں داخل ہو گئے، کیونکہ قریشی ہتھیار ڈال چکے تھے، اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد فرمائی۔ نبی اکرم ﷺ المسجد الحرام میں داخل ہوئے، کعبۃ اللہ کا طواف کیا، پھر اندر جا کر دو رکعت نماز پڑھی، پھر ان تمام بتوں کو توڑ دیا جو خانہ کعبہ کے اندر تھے یا اوپر تھے، پھر خانہ کعبہ کے دروازے پر کھڑے ہو گئے، ادھر قریشی نیچے خانہ کعبہ کے دروازے کے پاس کھڑے اپنے بارے میں فیصلے کا انتظار کر رہے تھے، تو آپ ﷺ نے

پوچھا: ''تم کیا سوچ رہے ہو کہ میں تمہارے ساتھ کیا کرنے والا ہوں؟ انہوں نے جواب دیا: ''ہم بھلائی کی توقع کر رہے ہیں کیونکہ آپ کریم النفس بھائی' اور کریم بھائی کے بیٹے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جاؤ تم سب آزاد ہو''۔ آپ ﷺ نے اپنے ایسے دشمنوں کے بارے میں عفو و درگزر کی عظیم مثال پیش کی جنہوں نے آپ کے صحابہ کو شدید اذیت و تکلیف میں مبتلا رکھا تھا' حتیٰ کہ آپ ﷺ کو بھی آپ کے شہر سے نکال باہر کیا تھا''۔

مکہ مکرمہ فتح ہو جانے کے بعد لوگ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہو گئے۔ سن ۱۰ ہجری کو آپ ﷺ نے حج کیا' اور آپ نے ایک ہی حج کیا ہے' آپ کے ہمراہ ایک لاکھ سے زیادہ افراد نے حج کیا' اور حج کے بعد آپ ﷺ مدینہ منورہ واپس چلے گئے۔

وفود کی آمد اور بادشاہوں کے نام خطوط نویسی

نبی اکرم ﷺ کی نبوت کا معاملہ چار سو پھیل گیا' آپ کی دعوت بھی دور دور تک پہنچ گئی' ہر طرف سے لوگ فوج در فوج مدینہ منورہ کا رخ کرنے لگے اور اسلام میں داخلے کا اعلان کرنے لگے۔

دوسری طرف نبی اکرم ﷺ نے بادشاہوں اور قبیلوں کے سرداروں کے نام خط لکھنے شروع کیے' انہیں اسلام کی دعوت دی' کسی نے بات مان لی اور اسلام قبول کر لیا' کسی نے ادب و احترام کے ساتھ جواب لکھا' تحائف ارسال

کئے البتہ اسلام نہیں قبول کیا' کوئی آگ بگولہ ہوگیا اور آپ ﷺ کے خط مبارک کو شہید کردیا۔ فارس کے بادشاہ کسریٰ نے یہی حرکت کی جس نے آپ ﷺ کے نامہ مبارک کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا' چنانچہ آپ ﷺ نے اُس کو بد دعا دی' فرمایا: ((اللّٰھمّ مزّق مُلکه)) "اے اللہ! اُس کی حکومت کو ٹکڑے ٹکڑے کردے"۔ چند دن ہی گزرے تھے کہ اُس کے بیٹے نے اس پر حملہ کردیا اور اُسے قتل کردیا اور خود بادشاہ بن گیا۔

مصر کا بادشاہ مقوقس مسلمان تو نہیں ہوا' البتہ رسول اللہ ﷺ کے سفیر کا احترام کیا' اور اُس کے ہمراہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں تحائف ارسال کئے۔ یہی معاملہ قیصر روم نے کیا' اُس نے بھی ادب واحترام کے ساتھ جواب دیا' آپ ﷺ کے سفیر کا احترام کیا' اور اُسے تحائف پیش کئے۔ حاکم بحرین منذر بن ساوی کا معاملہ یہ رہا کہ جب اُسے آپ ﷺ کا خط ملا تو اُس نے اہل بحرین کو پڑھ کر سنایا' اُن میں سے کچھ لوگ مسلمان ہوگئے اور کچھ نے انکار کردیا۔

رحلتِ آخرت

ادائیگی حج سے واپسی کے دو ڈھائی ماہ بعد بیماری کی ابتداء ہوگئی' اور روز بروز بڑھتی چلی گئی' جب نماز کی امامت سے معذوری ہوگئی تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔

سن ۱۱ ہجری ۱۲ ربیع الاوّل بروز سوموار آپ ﷺ سفرِ آخرت پر روانہ ہوگئے' اُس وقت آپ ﷺ کی عمر مبارک تریسٹھ سال تھی' جب خبر صحابہ کرام کو ملی تو قریب تھا کہ اپنے ہوش وحواس کھودیتے' انہیں خبر پر یقین نہیں آرہا تھا' بالآخر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خطبہ ارشاد فرمایا' انہیں مطمئن کر رہے تھے اور انہیں بتارہے تھے کہ محمد ﷺ بھی ایک بشر ہیں' ان کو بھی موت آئی ہے جس طرح کہ دوسرے بشر کو موت آتی ہے۔ اس وضاحت کے بعد لوگ مطمئن ہوگئے' آپ ﷺ کو غسل دیا گیا' کفنائے گئے' اور اُم ﷺ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے کمرے میں دفن ہوئے۔

آپ ﷺ نبوت سے پہلے چالیس سال تک مکہ مکرمہ میں رہے اور تیرہ سال نبوت کے بعد' اور مدینہ منورہ میں آپ ﷺ کا قیام دس سال تک رہا۔ آپ ﷺ کی رحلت کے بعد بالاتفاق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کیا گیا' اس طرح آپ مسلمانوں کے پہلے خلیفہ راشد قرار پائے۔

آپ ﷺ کا جسمانی تعارف

آپ ﷺ کا قد درمیانہ تھا' نہ بہت لمبے اور نہ بالکل چھوٹے' آپ ﷺ کے شانے کشادہ' اعضاءِ جسم متناسب' کشادہ سینے والے' خوبصورت ترین چہرے والے' رنگت سفید جس میں گلابی رنگ جھلک رہا تھا' گول چہرہ' سرمائی آنکھیں' باریک ناک' منہ بھی خوبصورت' گھنی داڑھی' عمدہ خوشبودار جسم' نرم نرم

جسم۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: میں نے عنبر' کستوری اور کوئی دوسری خوشبو آپ ﷺ کی خوشبو سے زیادہ خوشگوار نہیں پائی' اور آپ ﷺ کے ہاتھ سے زیادہ نرم وملائم میں نے کوئی چیز نہیں چھوئی۔ ہشاش بشاش چہرہ' ہمیشہ مسکراتے ہوئے' خوبصورت آواز' مختصر گفتگو۔ آپ ﷺ کے بارے میں حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: آپ ﷺ سب سے زیادہ خوبصورت' سب سے زیادہ سخی' اور سب سے زیادہ بہادر انسان تھے۔

آپ ﷺ کے اخلاق

آپ ﷺ سب سے زیادہ بہادر اور نڈر انسان تھے۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: ''جب معرکہ گرم ہو جاتا' اور لوگ آپس میں بھڑ جاتے تو ہم آپ ﷺ کی اوٹ کا سہارا لیتے''۔ آپ ﷺ سب سے زیادہ سخی انسان تھے' ایسا کبھی نہیں ہوا کہ آپ ﷺ سے کوئی چیز مانگی گئی ہو اور آپ نے انکار کیا ہو' آپ ﷺ انتہائی حلیم اور بردبار مزاج تھے' نہ کبھی اپنی ذات کے لیے انتقام لیا اور نہ اپنی ذات کی خاطر غصہ کھایا' یہ اور بات ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدوں کو توڑا جائے تو اللہ تعالیٰ کی خاطر انتقام لیتے۔ حق کے معاملے میں آپ ﷺ کی نظر میں قریبی رشتہ دار اور اجنبی' طاقتور اور کمزور سب کے سب برابر تھے۔ اور یہ بات زور دے کر کہی اور ثابت کی کہ کسی کو کسی پر کوئی فوقیت نہیں ہے سوائے تقویٰ کی بنیاد کے' اور یہ کہ لوگ باہم برابر

ہیں' اور یہ کہ سابقہ امتوں کے ہلاک ہونے کا سبب یہ ہے کہ جب حیثیت والا آدمی چوری کرتا تو اُسے چھوڑ دیتے' اگر کمزور آدمی یہی غلطی کرتا تو اُس پر قانون لاگو کر دیتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''قسم بخدا! اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا''۔ [صحیح البخاری ٣٤٧٥]

آپ ﷺ کسی کھانے میں عیب نہیں نکالتے تھے' اگر پسند آیا کھا لیا' ورنہ چھوڑ دیا' ایسا بھی ہوا کہ مہینہ' دو مہینہ کا عرصہ گزر گیا اور آپ ﷺ کے گھر میں آگ نہیں جلی' آپ کے خاندان کی گزر اوقات پانی اور کھجور پر ہوتی تھی۔ آپ ﷺ خود شدتِ بھوک سے پیٹ پر ایک یا دو پتھر باندھ لیتے تھے۔ گھریلو کاموں میں اہل خانہ کی مدد کرتے' بیماروں کی عیادت کرتے' تواضع وانکساری آپ ﷺ میں بہت زیادہ تھی' امیر ہو یا غریب' عام آدمی ہو یا صاحب حیثیت جو بھی آپ ﷺ کو بلا لیتا تشریف لے جاتے' بیمار ہوتا تو عیادت کرتے' کسی غریب سے غربت کی وجہ سے نفرت نہ کرتے' کسی بادشاہ سے اسکی بادشاہت کی وجہ سے نہ ڈرتے، گھوڑا' اونٹ' گدھا اور خچر ہر قسم کی سواری پر سوا ہوتے۔

اگرچہ آپ ﷺ کو پریشانیوں اور مشکلات نے گھیر رکھا تھا پھر بھی آپ بہت زیادہ مسکرانے والے اور سب سے اچھے اخلاق والے انسان تھے' خوشبو آپ کو بہت زیادہ محبوب تھی' تکلیف دہ بو کو ناپسند کرتے تھے' اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو عظیم اخلاق اور انتہائی خوبصورت کردار سے متصف فرمایا تھا۔ اللہ

تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس قدر عظیم علم سے نوازا تھا جو اوّلین و آخرین کے پاس نہ تھا' حالانکہ آپ ﷺ اُمی تھے' نہ پڑھ سکتے تھے اور نہ لکھ سکتے تھے' کسی انسان نے آپ ﷺ کو تعلیم نہیں دی تھی' اس قرآن کو آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے پاس سے لے کر آئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کے بارے میں چیلنج کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓی اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ﴾

''اے نبی! چیلنج کر دیں اگر تمام انسان اور جنات مل کر اس قرآن کی مثل لانا چاہیں تو ان سب سے اس کی مثل لانا ناممکن ہے خواہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے مددگار بھی بن جائیں''۔ (الإسراء)

جھٹلانے والوں کی زبان بند کرنے کے لیے آپ ﷺ بچپن سے ہی اُمی رہے' کہیں یہ نہ کہیں کہ اُس نے قرآن لکھ لیا ہے' یا کسی سے سیکھا ہے' یا سابقہ کتابوں سے اقتباس کیا ہے۔

معجزات

آپ ﷺ کا عظیم ترین معجزہ قرآن کریم ہی ہے' یہ ایسا معجزہ ہے جو قیامت تک باقی رہے گا' یہ ایسا معجزہ ہے جس نے خطیبوں کو چپ کروادیا' ادیبوں کو گنگ کر دیا' اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں کو چیلنج کیا ہے کہ ایسی دس سورتیں

لے آئیں' یا ایک ہی ایسی سورت لے آئیں' کچھ نہیں ہوسکتا تو دس آیتیں ہی لے آؤ۔ مشرکوں کی بے بسی نے قرآن کریم کے معجزہ ہونے کا ثبوت فراہم کردیا ہے۔

آپ ﷺ کے دیگر معجزات کی تفصیل یوں ہے:

ایک دن مشرکوں نے مطالبہ کیا کہ انہیں کوئی نشانی دکھائیں' آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے اذن سے چاند دو ٹکڑے ہوتے دکھایا۔ متعدد دفعہ آپ ﷺ کی انگلیوں سے پانی پھوٹ نکلا' کنکریوں نے آپ ﷺ کے ہاتھ میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا' پھر آپ ﷺ نے وہ کنکریاں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر رکھ دیں' پھر عمر رضی اللہ عنہ پھر عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر رکھ دیں تو وہ اللہ کا ذکر کرنے لگیں۔

کھانے کے دوران حضور اکرم ﷺ کی موجودگی میں کھانے سے ذکرِ الٰہی کی آوازیں صحابہ کرام سنا کرتے تھے' پتھر اور درخت آپ ﷺ کو سلام پیش کرتے' بکری کی وہ دستی بھی بول اٹھی جس میں زہر ملایا گیا تھا جو ایک یہودی عورت نے آپ ﷺ کو اس لیے پیش کی تھی کہ کھا کر آپ ﷺ (معاذ اللہ) اس دنیا سے رخصت ہو جائیں گے۔ ایک اعرابی نے آپ ﷺ سے معجزہ دکھانے کا مطالبہ کیا' آپ ﷺ نے ایک درخت کو اشارہ کیا اور وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور پھر واپس اپنی جگہ پر چلا گیا۔

جس بکری کا دودھ خشک ہو چکا اس کے تھنوں کو ہاتھ لگایا تو ان میں دودھ

اتر آیا' آپ ﷺ نے خود بھی پیا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بھی پلایا' حضرت علی رضی اللہ عنہ کی آنکھیں دکھ رہی تھیں تو آپ نے اس پر تھوک مبارک لگا دیا وہ فوراً ٹھیک ہوگئیں۔ ایک صحابی کی ٹانگ زخمی ہوگئی تو آپ ﷺ نے اس پر ہاتھ پھیر دیا تو وہ فوراً ٹھیک ہوگئی۔ آپ ﷺ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے حق میں دعا کی تھی' کہ اللہ تعالیٰ ان کی عمر' مال اور اولاد میں برکت عطا فرمائے' نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے ہاں ایک سو بیس بچے پیدا ہوئے۔ عام طور پر کھجور کا درخت سال میں ایک دفعہ پھل دیتا ہے' البتہ ان کا باغ سال میں دو دفعہ پھل دیتا **تھا** اور اللہ تعالیٰ نے اُن کو ایک سو بیس سال عمر عطا فرمائی۔

آپ ﷺ منبر پر تھے' ایک صحابی نے قحط سالی کا شکوہ کیا' آپ ﷺ نے فوراً ہاتھ اٹھا کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی' اُس وقت آسمان پر ایک بدلی بھی نہ تھی' آناً فاناً پہاڑ کی مانند بادل آ گئے' اور اگلے جمعہ تک مسلسل موسلا دھار بارش ہوتی رہی' اگلے جمعہ کو بارش کی کثرت کا شکوہ ہوا تو آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی' تو بارش رک گئی' اور لوگ مسجد سے دھوپ میں باہر آئے۔

خندق کی کھدائی کے موقع پر ہزار کے قریب افراد جمع تھے' دو تین کلو جو تھے اور ایک بکری تھی تو سب لوگوں نے پیٹ بھر کر کھایا' اور اٹھ گئے' اور کھانا جوں کا توں باقی رہا۔ اسی طرح حضرت بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ کی بیٹی اپنے والد اور ماموں کے لیے تھوڑی سی کھجوریں لائی جو آپ ﷺ نے سارے ساتھیوں کو کھلا دیں جو کہ

خندق کی کھدائی میں مصروف تھے۔

ایک موقع پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کچھ کھانے کو تیار کیا تو آپ ﷺ نے سارے لشکر کے سامنے رکھ دیا اور وہ سیر ہو کر اٹھے۔

قریشیوں کا سو جوان بیٹھا آپ ﷺ کا انتظار کر رہا تھا کہ (معاذ اللہ) آپ کو قتل کر دیں' آپ ﷺ وہاں سے نکل گئے' ان کے چہروں پر دھول ڈالی اور اُن کو خبر تک نہ ہوئی۔ سراقہ بن مالک نے آپ ﷺ کا پیچھا کیا کہ آپ کو قتل کر دے' جب وہ آپ ﷺ کے قریب پہنچا تو آپ ﷺ نے اُسے بد دعا دی' نتیجتاً اس کے گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس گئے۔

سیرت النبی ﷺ سے حاصل شدہ دروس

خوش طبعی: آپ ﷺ اپنے ساتھیوں سے مزاح ضرور فرماتے تھے لیکن بات حق کہتے تھے' اپنے اہل خانہ سے بھی خوش مزاجی فرماتے تھے' چھوٹے بچوں کا بہت خیال رکھتے تھے' اور اپنے وقت سے ایک حصہ اُن کے لیے مخصوص رکھتے تھے' اور اُن کے ساتھ اس طرح کا برتاؤ کرتے تھے جو بچوں کی حیثیت کے مطابق ہوتا تھا' اور اُسے سمجھ بھی سکتے تھے۔ بسا اوقات اپنے خادم خاص حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مذاق کرتے اور اُسے ''یا ذا الاذنین'' (اے دو کانوں والے) کہتے' ایک آدمی نے درخواست کی اے اللہ کے رسول میرے لیے سواری

کا انتظام کر دیں تو آپ ﷺ نے اُسے مزاحیہ انداز میں فرمایا: ''ہم تمہیں سواری کے لیے اونٹنی کا بچہ دے دیتے ہیں''۔ اُس نے کہا: ہم اونٹنی کے بچے کا کیا کریں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہر اونٹ کسی اونٹنی کا بچہ ہی تو ہوتا ہے''۔ ہمیشہ مسکراتے رہتے اور آپ ﷺ کے چہرۂ انور سے بشاشت جھلکتی رہتی، صحابہ کرام نے ہمیشہ آپ سے اچھی بات ہی سنی ہے، حضرت جریر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب سے میں مسلمان ہوا ہوں مجھے نبی اکرم ﷺ نے زیارت سے منع نہیں فرمایا، اور جب بھی مجھے دیکھا مسکرا دیئے۔ میں عرض کیا کہ میری کمزوری یہ ہے کہ میں گھوڑے پر جم کر بیٹھ نہیں سکتا، آپ ﷺ نے اپنا دست مبارک میرے سینے پر رکھ کر یہ دعا کی:

((اللّٰھمّ ثبّتہ واجعَلہُ ھادیًا مّھدِیًّا)) [صحیح البخاری ۳۰۳۶]

''اے اللہ! اسے ثابت قدم بنا اور اسے ہدایت یافتہ بنا دے۔''

بیان کرتے ہیں کہ اس دن کے بعد میں گھوڑے سے نہیں گرا۔

اسی طرح آپ ﷺ اپنے قریبی رشتہ کے لوگوں سے بھی مزاح فرما لیتے تھے، ایک دفعہ آپ ﷺ اپنی پیاری بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لائے اور اُن کے خاوند حضرت علی رضی اللہ عنہ کو گھر پر نہ پایا تو پوچھا: کہاں ہے؟ حضرت فاطمہ نے کہا: میرا ان کا جھگڑا ہو گیا ہے، غصہ ہو کر باہر نکل گئے ہیں، آپ ﷺ تشریف لائے تو دیکھا حضرت علی رضی اللہ عنہ مسجد میں سو رہے ہیں، کندھوں کی چادر اتر گئی ہے،

اور مٹی لگ گئی ہے، حضور اکرم ﷺ اپنے دست مبارک سے مٹی صاف کر رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں: "قُم أبا تُراب، قُم أبا تراب" (مٹی میں لیٹنے والے اٹھو، مٹی میں لیٹنے والے اٹھو!)

بچوں سے سلوک

آپ ﷺ کے حسن سلوک سے بچوں کو خوب حصہ ملتا تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ مقابلہ میں دوڑ لگاتے تھے، جب حضرت عائشہ اپنی سہیلیوں کے ساتھ گڈی پٹولے کھیلتیں تو انہیں کچھ نہ کہتے، اس واقعے کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یوں روایت کرتی ہیں کہ میں حضور اکرم ﷺ کے گھر میں بچیوں کے ساتھ کھیلتی، اور میری کچھ سہیلیاں تھیں جو میرے ساتھ کھیلتی تھیں، جب آپ ﷺ کی آمد کا علم ہوتا تو چھپ جاتیں، تو آپ ﷺ خود ان بچیوں کو میرے پاس بھیجتے، پھر ہم سب مل کر کھیلتیں۔

نہ صرف آپ ﷺ بچوں سے پیار کرتے بلکہ ان کا خیال بھی رکھتے تھے

حضرت عبداللہ بن شداد رضی اللہ عنہ اپنے والد کے حوالے سے بات سناتے ہیں کہ ایک موقع پر نماز عشاء کے وقت آپ ﷺ تشریف لائے اور حضرت حسن یا حضرت حسین کو اٹھائے ہوئے تھے، آپ ﷺ مصلے پر تشریف لے گئے اور بچے کو بٹھا دیا، نماز پڑھانی شروع کر دی، اور لمبا سجدہ کیا۔ عبداللہ کے والد شداد نے بتایا کہ میں نے سر اٹھا کر دیکھا اور بچہ آپ کی پشت پر تھا اور آپ سجدہ میں

تھے۔ کہتے ہیں' میں دوبارہ سجدہ میں چلا گیا' جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں نے کہا: یا رسول اللہ! آپ نے خاصا لمبا سجدہ کیا ہے' ہمیں تو گمان ہونے لگا کہ آپ کو کچھ ہو گیا ہے یا وحی نازل ہو رہی ہے' آپ ﷺ نے فرمایا: ایسا کچھ نہیں ہے' اصل معاملہ یہ ہے کہ میرے بچے نے مجھے سواری بنا لیا تھا' میں نے جلدی کرنا مناسب نہیں سمجھا' حتیٰ کہ وہ اپنی مرضی سے خود ہی اتر جائے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ سب سے بہتر اخلاق کے مالک تھے' میرے چھوٹے بھائی سے کہتے تھے: ''اے ابو عمیر! چڑیا کے بچے کا کیا ہوا''؟ حضرت انس کے بھائی اس چڑیا سے کھیلا کرتے تھے' اس طرح بات کرنے سے وہ بچہ خوش ہو جاتا تھا۔

اہل خانہ سے برتاؤ

اہل خانہ سے معاملے کا تو حال یہ تھا کہ گویا ساری خوبیاں ہی جمع ہو گئیں' انتہائی تواضع سے کام لیتے' گھر والوں کی ضروریات کا خوب خیال رکھتے' عورت کے مقام و حیثیت کو انسان کی جگہ پر رکھ کر دیکھتے' خواہ ماں ہو' بیوی ہو یا بیٹی ہو۔ ایک آدمی نے آپ ﷺ سے دریافت کیا' کہ میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ حق دار کون ہے؟ فرمایا: تیری ماں' پھر تیری ماں' پھر تیری ماں' پھر تیرا باپ' اور فرمایا: جس شخص کو والدین یا ان میں سے کوئی ایک مل گیا' اور

اُس نے اِن کی خدمت نہیں کی' تو وہ آگ میں گیا' اور اللہ تعالیٰ نے اُسے اور دور دھکا دے دیا۔

آپ ﷺ کے اخلاقِ حمیدہ کا حال یہ تھا کہ جب آپ کی بیوی (کوئی اُمّ المومنین رضی اللہ عنہا) کسی برتن سے پیتیں تو آپ بھی اسی جگہ منہ رکھ کر پیتے جہاں انہوں نے منہ رکھا تھا' آپ ﷺ اکثر فرماتے تھے: ''تم میں سے بہترین آدمی وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لیے بہترین ہے' اور میں اپنے گھر والوں کے لیے سب سے بہتر ہوں''۔

رحمتوں کی بارش

صفتِ رحمت کے بارے میں آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ: ''جو رحم کرتے ہیں رحمٰن بھی انہی پر رحم کرتا ہے' زمین والوں پر تم رحم کرو' آسمان والا تم پر رحم کرے گا''۔[صحیح الترمذی ١٩٢٤ للالبانی]

ہمارے نبی ﷺ کو اس اخلاق کریمہ میں سے خوب حصہ ملا تھا' سب کے ساتھ برتاؤ میں آپ کی یہ خوبی نمایاں رہی ہے' خواہ چھوٹا ہو یا بڑا' قریبی رشتہ دار ہو یا عام آدمی۔ آپ ﷺ کی شفقت و رحمت اس وقت نظر آجاتی تھی جب آپ بچے کے رونے کی آواز سنتے اور نماز کو مختصر کر دیتے۔ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''میں نماز میں کھڑا ہوتا ہوں اور لمبی نماز پڑھنا چاہتا ہوں' بچے کی رونے کی آواز سنتا ہوں تو نماز مختصر کر دیتا ہوں'

مجھے یہ ناپسند ہے کہ بچے کی ماں کوفت کا شکار ہو‘‘۔[صحیح البخاری ۷۰۷]۔

آپ ﷺ اُمت کے بارے میں انتہائی رحیم و شفیق تھے‘ اور شدید خواہش مند تھے کہ سب کے سب لوگ اللہ کے دین میں داخل ہو جائیں۔ ہوا یوں کہ ایک یہودی بچہ بیمار ہو گیا‘ وہ آپ کی خدمت بھی کیا کرتا تھا‘ آپ ﷺ اُس کی عیادت کے لیے تشریف لائے‘ آپ نے اُسے کہا کہ مسلمان ہو جا‘ بچے نے اپنے باپ کی طرف دیکھا جو اُس کے سر کے پاس ہی کھڑا تھا‘ اُس کے باپ نے کہا: ابو القاسم ﷺ کی بات مان لو‘ تو بچہ مسلمان ہو گیا‘ پھر تھوڑی دیر بعد مر گیا۔ آپ ﷺ یہ کہتے ہوئے وہاں سے نکلے: ’’اللہ کا شکر ہے جس نے اس بچے کو آگ سے بچالیا‘‘۔[صحیح البخاری ۱۲۹۰]

مثالِ صبر

آپ ﷺ کے صبر کی بات کریں تو آپ کی تو ساری ہی زندگی خود صبر کرنے‘ دوسروں کو صبر کی تلقین کرنے‘ خود جہاد کرنے اور دوسروں کو جہاد کی تلقین سے عبارت ہے۔ جب آپ ﷺ پر پہلی آیت نازل ہوئی ہے تب سے زندگی کی آخری سانس تک آپ صبر کرتے رہے‘ دوسروں کو صبر کا کہتے رہے اور مسلسل جدوجہد کرتے رہے۔ نبوت ملتے ہی آپ ﷺ کو معلوم ہو گیا تھا کہ اس راستے میں انہیں مشکلات اور سختیوں کا سامنا رہے گا۔ جب پہلی دفعہ جبریل امین تشریف لائے‘ تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ کو جناب ورقہ

بن نوفل کے پاس لے گئیں، تو جناب ورقہ نے آپ سے کہا: ''اے کاش میں اُس وقت تک زندہ رہوں جب آپ کی قوم آپ کو شہر سے نکال دے گی''۔ آپ ﷺ نے حیرانگی سے پوچھا: ''کیا واقعی وہ مجھے نکال دیں گے؟'' ورقہ نے کہا: ''ہاں ہاں، ایسا ہی ہوتا رہا ہے کہ جو شخص بھی اللہ تعالیٰ کا پیغام لے کر آیا ہے اس سے دشمنی رکھی گئی''۔[صحیح البخاری ۳]۔ اس بنیاد پر آپ ﷺ نے ابتداء سے ہی اپنے آپ کو مشکلات برداشت کرنے کے لیے تیار کر لیا تھا، انہیں معلوم ہو گیا کہ تکلیفیں بھی آئیں گی، سازشیں بھی ہوں گی، اور دشمنی بھی ہو گی۔

آپ ﷺ کے صبر کی مثالیں تو بے شمار ہیں، بس چند ایک ملاحظہ فرمالیں۔

جب آپ ﷺ مکہ مکرمہ میں قریشیوں کو اپنے رب کی دعوت پہنچا رہے تھے تو اپنے خاندان، قوم اور اہل مکہ کی طرف سے آپ کو جسمانی تکلیفیں دی گئیں، حضرت عروہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ بتائیں کہ مشرکوں نے آپ ﷺ کے ساتھ جو شدید ترین معاملہ کیا ہو اُس کی تفصیلات کیا ہیں؟ تو انہوں نے بتایا:

> نبی کریم ﷺ خانہ کعبہ کے اندر نماز ادا فرما رہے تھے، عقبہ بن ابی معیط آ گیا، اُس نے اپنی چادر آپ ﷺ کے گلے میں ڈال کر کس دی اور آپ کا گلا بُری طرح گھونٹ دیا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف

لائے انہوں نے عقبہ کو کندھوں سے پکڑ کر دھکیلا اور اُسے آپ ﷺ سے دور کیا' اور فرمایا: کیا تم ایسے آدمی کو قتل کرنا چاہتے ہو جو یہ کہتا ہے کہ: میرا رب اللہ ہے!'' [صحیح البخاری ٣٦٧٨]

ایک دن آپ ﷺ بیت اللہ کے پاس نماز ادا کر رہے تھے' ابو جہل اپنے ساتھیوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا' کسی نے دوسرے سے کہا: تم میں سے کوئی ہے جو فلاں کے اونٹ کی اوجھڑی لے آئے اور جب یہ سجدے میں جائیں تو اُن کے اوپر رکھ دے؟ تو بد بخت ترین انسان اٹھا اور اوجھڑی لے آیا' اور دیکھتا رہا' جب آپ ﷺ سجدے میں گئے تو اُس نے اوجھڑی کو آپ کے کندھوں کے درمیان پیٹھ پر رکھ دیا' اس کے بعد وہ اس قدر ہنسے کہ لوٹ پوٹ ہو گئے' اور ادھر آپ ﷺ سجدے میں ہیں اور سر نہیں اٹھا سکتے' حتیٰ کہ آپ کی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا آئیں اور اوجھڑی کو آپ ﷺ کی کمر مبارک سے ہٹایا۔

اس جسمانی تکلیف سے بھی زیادہ وہ نفسیاتی تکلیف تھی جو آپ ﷺ کو پہنچائی جا رہی تھی کہ آپ کی دعوت کو رد کر دیا گیا' آپ ﷺ کو جھٹلا گیا' آپ کو کاہن' شاعر' مجنون' اور جادوگر کہا گیا۔ یہ دعویٰ کیا گیا کہ جو آیات آپ تلاوت فرما رہے ہیں سب پرانے قصے کہانیاں ہیں' اسی طرح کی ایک بات ابو جہل نے بطور ٹھٹھا کہی تھی: ''اے اللہ اگر یہی وہ حق ہے جو تیری طرف سے آیا ہے ہم تو نہیں مانیں گے' البتہ تو ہمارے اوپر آسمان سے پتھروں کی بارش کر دے یا دوسری شکل میں کوئی سخت عذاب لے آ!''

ادھر ابولہب کا یہ حال تھا کہ جب بھی آپ ﷺ کسی اجتماع میں دعوتِ دین دینے کے لیے جاتے وہ آپ ﷺ کا پیچھا کرتا' آپ کو جھٹلاتا' اُن لوگوں کو آپ کی بات ماننے سے روکتا' دوسری طرف اُس کی بیوی اُمّ جمیل لکڑیاں اور کانٹے اکٹھے کرتی اور آپ ﷺ کے راستے میں ڈال دیتی۔

اور اُس وقت تو مشکلات اپنی انتہا کو پہنچ گئیں جب آپ ﷺ کو ساتھیوں سمیت شعب ابی طالب میں محصور ہونا پڑا' حتیٰ کہ بھوک کی سختی کی وجہ سے درختوں کے پتے کھانے پر مجبور ہو گئے' اور غموں میں اُس وقت اور بھی اضافہ ہو گیا جب آپ کو اپنی خدیجہ جیسی عظیم بیوی کی جدائی کا صدمہ برداشت کرنا پڑا۔ خدیجہ مشکلات میں آپ ﷺ کو تسلی دیتیں اور مددگار بنتیں۔ پھر چچا ابو طالب کی جدائی بھی آن پڑی جو ہمیشہ آپ ﷺ کا سہارا بنتے اور آپ کی طرف دفاع کرتے' اور اس لیے بھی جدائی کا غم شدید تھا کہ اُن کی موت کفر پر ہوئی تھی۔ آپ ﷺ کو متعدد مرتبہ قتل کرنے کی کوشش کی گئی' مجبوراً آپ کو شہر چھوڑ کر جانا پڑا۔ ادھر مدینہ منورہ آ کے بھی صبر اور قربانیوں کا سلسلہ چلتا رہا اور ایسی زندگی تھی جس میں مسلسل محنت اور مشکلات تھیں' حتیٰ کہ آپ ﷺ نے بھوک اور محتاجی کی زندگی گذاردی اور پیٹ پر پتھر باندھے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے: ''مجھے اللہ کے راستے میں اس قدر ڈرایا گیا کہ کسی دوسرے کو نہیں ڈرایا گیا' اور مجھے اللہ کی خاطر اس قدر کی تکلیف دی گئی ہے کہ کسی دوسرے کو اس قدر تکلیف نہیں دی گئی' مجھ پر تیس دن رات ایسے بھی گزرے ہیں کہ

میرے اور بلال کے کھانے کے لیے کوئی ایسی چیز نہ تھی جس پر کوئی جاندار گذارہ کر سکے، بس اتنا معمولی سا ہوتا تھا جو بلال کی بغل میں آ جاتا''۔

[سنن ابن ماجه ۱۵۱، سنن الترمذی ۲۴۷۲، البانی نے صحیح کہا ہے۔]

آپ ﷺ کی عزت پر بھی تہمت لگائی گئی، منافقوں اور جاہل بدوؤں کی طرف سے تکلیف دی گئی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک موقع پر آپ ﷺ نے کچھ تقسیم کیا، تو ایک انصاری نے کہا کہ: ''محمد نے اس موقع پر انصاف نہیں کیا''۔ عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں: میں نے آ کر رسول اللہ ﷺ کو اطلاع دی تو آپ کا چہرے کا رنگ بدل گیا، اور فرمایا: ''اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے، انہیں اس سے بھی زیادہ تکلیف دی گئی، پھر بھی انہوں نے صبر کیا''۔ [صحیح البخاری ۳۴۰۵]

جن جن موقعوں پر آپ ﷺ نے صبر سے کام لیا ان میں آپ کے نرینہ بچوں اور بیٹیوں کی وفات ہے۔ آپ ﷺ کے سات بچے تھے، ایک کے بعد ایک مرتا گیا، جن میں صرف ایک حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بچی تھیں، آپ ﷺ نے مشکلات پر کبھی کمزوری نہیں دکھائی اور نہ گھبرائے، بلکہ صبر جمیل سے کام لیا۔ جس دن آپ ﷺ کے بیٹے ابراہیم کی وفات ہوئی تو فرمایا: ''آنکھ اشک بار ہے، دل غمگین ہے، البتہ ہم وہی بات کہیں گے جس سے ہمارا رب راضی رہے۔ اے ابراہیم ہم تیری جدائی سے بہت غمگین ہیں''۔ [البخاری ۱۲۴۱]

آپ ﷺ کا صبر صرف تکلیفوں اور آزمائشوں پر ہی نہیں تھا' بلکہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی اطاعت بھی جم کر کرتے تھے' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا تھا۔ آپ عبادت اور اطاعت گذاری میں خوب ریاضت کرتے' حتیٰ کہ لمبے لمبے قیام کی وجہ سے آپ ﷺ کے قدم مبارک پھٹ جاتے۔ کثرت سے روزے رکھتے' ذکر کرتے' اور عبادت میں کافی وقت خرچ کرتے۔ آپ ﷺ سے دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا: ''کیا میں اللہ کا شکرگذار بندہ نہ بنوں؟'' [صحيح البخاری ۱۰۷۸]

'زہد' دنیا سے کنارہ کشی

''زہد'' کا لفظ تو صحیح طور پر اس انسان پر بولا جاسکتا ہے جس کے لیے دنیا کی فراوانی ہو اور بے رغبتی کی وجہ سے وہ اس دنیاوی متاع سے منہ موڑ لے' اور ہمارے نبی ﷺ دنیا پرستی سے سب سے زیادہ کنارہ کشی کرنے والے تھے۔ اس میں قطعاً دلچسپی نہیں رکھتے تھے' جو اشد ضرورت کو پورا کرنے کے لیے کافی ہو اسی پر مطمئن تھے' سخت کوش زندگی پر راضی تھے' حالانکہ دنیا سب کی سب آپ ﷺ کے سامنے رکھی ہوتی تھی' آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ترین مخلوق تھے' اگر آپ ﷺ درخواست کرتے تو اللہ تعالیٰ دنیا کی ہر نعمت و مال آپ کو عطا فرما دیتا۔

امام ابن کثیر نے اپنی تفسیر کے اندر حضرت خیثمہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل

کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو یہ آفر پیش کی گئی کہ اگر آپ پسند کریں تو زمین کے سارے خزانے آپ کے سامنے رکھ دیں‘ جن کی ساری چابیاں آپ کے ہاتھ میں ہوں اور یہ اس قدر مال ہوگا کہ کسی سابقہ نبی کو نہیں ملا ہوگا اور نہ آپ کے بعد کسی کو دیں گے‘ اور اس کی وجہ سے جو کچھ آپ کا حصہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے وہ بھی کم نہیں ہوگا‘ تو آپ ﷺ نے جواب دیا: ”یہ سب کچھ میرے لیے آخرت میں محفوظ کر لیں“۔

البتہ آپ ﷺ کی دنیاوی زندگی میں گذارہ تو بالکل ہی حیرت انگیز تھا۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ مدینہ منورہ کے پتھریلے علاقے میں چل رہا تھا‘ اتنے میں اُحد پہاڑ سامنے نظر آ گیا‘ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”مجھے اس بات سے قطعاً خوشی نہیں ہوگی کہ میرے پاس اُحد پہاڑ جتنا سونا ہو اور تین دن کے اندر اندر میرے پاس ایک دینار بچ رہے‘ البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ تھوڑا بہت میں اپنے قرضے کی ادائیگی کی خاطر محفوظ کر لوں‘ بس میں تو اللہ کے بندوں میں اُسے دائیں‘ بائیں اور پیچھے ہر طرف تقسیم کردوں“۔[صحیح البخاری ٦٨٠١]

اور آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے: ”مجھے دنیا سے کیا لینا دینا‘ میں تو دنیا میں بس ایک سوار کی طرح آیا ہوں جو کسی درخت کے نیچے تھوڑی دیر سائے کے لیے بیٹھا پھر وہاں سے چل دیا“۔[سنن الترمذی ٢٣٧٧، امام البانی نے حدیث کو صحیح کہا ہے]

خوراک و پوشاک

خوراک کا حال یہ تھا کہ آپ ﷺ پر مہینہ' دو مہینہ' تین مہینہ گزر جاتے تھے اور آپ کے گھر میں آگ نہیں جلتی تھی' بس دو کالی چیزوں پر گذارا تھا' کھجور اور پانی۔ کبھی کبھار ایسا بھی ہوا کہ دِن بھر بھوک کی شدت سے لوٹ پوٹ ہوتے رہے اور پیٹ میں ڈالنے کے لیے کچھ نہیں ہے۔ عام طور پر آپ ﷺ جو کی روٹی استعمال کرتے' کہیں یہ روایت نہیں مل سکی کہ آپ ﷺ نے باریک میدے کی روٹی استعمال کی ہو۔ آپ ﷺ کے خادم خاص بیان کرتے ہیں کہ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ مسلسل دو وقت صبح شام آپ ﷺ نے روٹی اور گوشت کا سالن استعمال کیا ہو' الا یہ کہ آپ کے ہاں مہمان ہوں۔

جیسے کہ گزر چکا ہے' آپ ﷺ کا لباس کا معاملہ بھی کوئی زیادہ اچھا نہیں تھا' آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ لباس کے معاملے میں کس قدر بے نیاز اور بے تکلف تھے' حالانکہ آپ چاہتے تو قیمتی لباس استعمال کر سکتے تھے۔ ایک صحابی آپ ﷺ کے لباس کا تذکرہ کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ کسی معاملے میں آپ ﷺ سے بات کرنے آیا اور آپ بیٹھے ہوئے تھے اور آپ کا تہبند موٹے سوتی کپڑے کا تھا۔

حضرت ابو بردہ رحمہ اللہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے ایک اوڑھنے کا کپڑا نکالا جس میں پیوند لگے ہوئے

تھے اور ایک موٹا تہبند' پھر فرمایا: کہ رسول اللہ ﷺ انہی دونوں کپڑوں میں دنیا سے رخصت ہوئے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چلتا اور آپ پر اوڑھنے کی نجرانی چادر رہتی جس کے کنارے موٹے موٹے ہوتے۔

آپ ﷺ نے موت کے وقت کوئی اثاثہ نہیں چھوڑا' نہ درہم' نہ دینار' نہ غلام اور نہ لونڈی اور نہ کوئی اور چیز سوائے سفید خچر کے اور ذاتی ہتھیار کے' اور تھوڑی سی زمین تھی جس کو صدقہ کر دیا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب رسول اکرم ﷺ دنیا سے رخصت ہوئے تو ہمارے ہاں کھانے پینے کی کوئی چیز نہ تھی۔ آپ ﷺ کی وفات کے وقت آپ کی زرہ ایک یہودی کے ہاں تھوڑے سے جو کے بدلے رہن رکھی تھی۔

آپ ﷺ سراپا عدل وانصاف

آپ ﷺ ہر ایک کے ساتھ سراپا عدل تھے' اپنے رب سے بھی معاملہ انصاف سے کرتے' اور اپنی ذات کے ساتھ بھی انصاف کرتے' اپنی بیویوں سے بھی انصاف کرتے' دوسروں کے ساتھ معاملات میں بھی انصاف کرتے' خواہ فریق ثانی قریبی رشتہ دار ہو یا پرایا' ساتھی ہو یا دوست' موافق ہو یا مخالف' چاہے کوئی متکبر دشمن ہو' اس کے ساتھ بھی ہمیشہ انصاف سے پیش آتے۔ ایسا بھی ہوا کہ کچھ لوگوں نے آپ ﷺ کے ساتھ بدسلوکی کی' یا کسی نے آپ کی

شان میں گستاخی کی' آپ ﷺ کبھی انصاف کا دامن نہیں چھوڑتے' چاہے آپ مقیم ہوں یا مسافر' ہر شکل میں انصاف سے کام لیتے' آپ ﷺ اپنے ساتھیوں پر بھی اپنی ذات کو نمایاں نہ کرتے تھے' بلکہ عدل و انصاف کو پسند فرماتے' ساتھیوں ہی کی طرح مشکلات اور تکلیفیں خود بھی برداشت کرتے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ بدر کے موقع پر' ہر تین آدمیوں کے حصے میں ایک اونٹ آیا' حضرت ابولبابہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما آپ ﷺ کے اونٹ میں ساتھی تھے' جب حضور اکرم ﷺ کے چلنے کی باری آئی تو دونوں نے بیک زبان عرض کیا: ''ہم پیدل چلتے ہیں اور آپ سوار رہیں'' تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''نہ تم دونوں مجھ سے زیادہ طاقت ور ہو اور نہ ہی میں اجر سے بے نیاز ہوں''۔[مسند احمد ۱/۴۱۱، ح ۳۹۰۱۔ حدیث حسن ہے]

حضرت اُسید بن حُضیر رضی اللہ عنہ جب ایک دفعہ اپنے لوگوں سے مذاق کرتے اور اُن کو ہنساتے تھے، آپ ﷺ نے اُن کے پہلو پر لکڑی چبھودی' حضرت اُسید نے کہا: یارسول اللہ! آپ نے مجھے تکلیف دی ہے' مجھے بدلہ لینے کا موقع دیجئے' آپ ﷺ نے فرمایا: چلو بدلہ لے لو۔ انہوں نے کہا: آپ تو قمیص پہنے ہوئے ہیں اور میرے اوپر قمیص نہیں ہے۔ تو آپ ﷺ نے اپنا کرتہ مبارک اوپر اٹھادیا' اور حضرت اُسید آپ سے چمٹ گئے' اور آپ کی پسلی اور پہلو کے درمیان والی جگہ پر بوسے لینے لگے' اور عرض کیا: یارسول اللہ! بس یہی میری مراد تھی کہ آپ

کے جسم اطہر کا بوسہ لے لوں۔ [سنن ابی داود ٥٢٣٤]

آپ ﷺ حدودِ الٰہی کو پامال کرنا برداشت نہ کرتے تھے' اور یہ وہ حدود ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اس لیے مقرر فرمایا ہے تاکہ لوگوں کے درمیان انصاف قائم کیا جا سکے' خواہ غلطی کرنے والا آپ ﷺ کا قریبی رشتہ دار ہو یا عزیز ترین دوست۔ ہوا یوں کہ مخزومی قبیلے کی ایک عورت نے چوری کر لی' مختلف لوگوں نے سزا ٹالنے کے لیے شفاعت کی' حتیٰ کہ آپ ﷺ کے چہیتے اور منہ بولے بیٹے حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ نے بھی سفارش کی تو آپ نے شفاعت قبول نہیں کی' اور وہ مشہور جملہ ادا کیا جو آج بھی قانونِ اسلام کی روح ہے۔ فرمایا: ''اے لوگو! تم سے پہلے لوگ صرف اس لیے ہلاک ہو گئے کہ اگر اُن میں سے کوئی صاحب حیثیت چوری کر لیتا تو اُسے چھوڑ دیتے' اور اگر کمزور چوری کرتا تو اُس پر قانون نافذ کر دیتے' قسم بخدا اگر بالفرض فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرتی تو میں اُس کا ہاتھ کاٹ دیتا''۔ [صحیح البخاری ٦٨٨٧]۔

آپ ﷺ کے بارے میں اہل فکر کی رائے

نبی اکرم ﷺ کے بارے میں اہل مغرب کے فلاسفہ اور مستشرقین (یعنی Orientalists) کی آراء سے چند اقتباسات' جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ لوگ آپ ﷺ کی عظمت کے قائل' آپ کی نبوت کو ماننے والے' آپ کی

خوبیوں کے ثناخواں' جو دین آپ لے کر آئے تھے اُس کی حقیقت کے معترف' تعصب سے دور اور جو غلط پروپیگنڈا دشمن پھیلا رہے تھے اُس کے خلاف تھے۔

برطانوی فلاسفی برناڈ شوا اپنی کتاب محمد [جسے انگریزی حکومت نے جلا دیا تھا] میں لکھتا ہے: ''آج کا زمانہ محمد کی لائی ہوئی فکر کا سب سے زیادہ محتاج ہے' اس نبی نے اپنے دین کو ہمیشہ عزت واحترام کی حیثیت دی ہے۔ ہر معاشرے کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے یہ سب سے زیادہ کامیاب دین ہے اور ہر دور میں ضروریات پورا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ متعدد انگریز کھلی آنکھوں کے ساتھ اور دلیل کو سمجھ کر اس دین میں داخل ہو رہے ہیں۔ براعظم یورپ میں اس دین کے پھیلنے کے بہت مواقع موجود ہیں''۔

برناڈ شو مزید کہتا ہے: ''عیسائی علماء نے قرونِ وسطیٰ میں اپنی جہالت یا عصبیت کی وجہ سے دینِ محمد کے تاریک پہلو پیش کیے ہیں' یہ لوگ دینِ محمد کو عیسائیت کا دشمن بیان کرتے رہے ہیں' لیکن جب میں نے اس کے دین کا مطالعہ کیا تو میں اسے حیران کن معجزہ پایا' اور میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ یہ عیسائیت کا دشمن نہیں تھا' بلکہ اسے انسانیت کا نجات دہندہ کہنا چاہیے' میری رائے تو یہ ہے کہ اگر یہ عظیم انسان آج انسانیت کا انتظام سنبھال لے تو ہماری تمام مشکلات کو حل کر کے سلامتی وامن کا

گہوارہ بنا سکتا ہے جس کے لیے انسانیت ترس رہی ہے''۔

نوبل انعام یافتہ انگریز فلاسفر تو ماس کارلیل لکھتا ہے: ''اس زمانہ میں کسی انسان کے لیے سب سے بڑی برائی یہ ہے کہ وہ کان لگا کر ایسی بات سنے کہ 'دین اسلام جھوٹ تھا اور (نعوذ باللہ) محمد (ﷺ) دھوکے باز اور مکار تھا'۔ ضروری ہے کہ ہم ایسی بے ہودہ اور شرم دلانے والی باتوں کے خلاف جہاد کریں' جس پیغام کو یہ رسول لے کر آیا تھا وہ آج بارہ صدیاں بعد بھی چمکتے سورج کی طرح موجود ہے' دوارب کے قریب انسان اس کو مانتے ہیں۔ کیا کوئی انسان یہ گمان کرنے میں حق بجانب ہو سکتا ہے کہ اس رسالت کو کروڑوں لوگ مانتے ہیں اور بے حد و حساب لوگ اس کو مانتے چلے آئے ہیں۔ کیا یہ سب جھوٹ اور دھوکہ دہی تھا؟''

ہندوستانی فلاسفر راما کرشنا کہتا ہے: ''جب محمد (ﷺ) تشریف لائے' تو جزیرہ عربیہ کچھ بھی نہ تھا' اور یہ لمبا چوڑا صحرائی علاقہ دنیا کے کسی شمار قطار میں نہ تھا' محمد نے اپنے عظیم روحانی کارنامے کی بدولت ایک نیا جہان پیدا کر دیا' ایک نئی زندگی بخش دی' ایک نئی تہذیب متعارف کروائی اور ایک نئے تمدن کی بنیاد رکھی' اور ایک نئی حکومت بنائی جس کا ایک کنارہ مراکش ہے تو دوسرا کنارہ براعظم ہندوستان۔ اور آپ تین براعظموں؛ ایشیا' افریقہ اور یورپ کی سوچ و عملی زندگی اثر انداز ہوئے۔

کینیڈین فلاسفر زویمر کہتا ہے: ''بلا شبہ محمد (ﷺ) عظیم دینی قائد اور راہنما تھے' اُن کی ذات پر یہ بات بالکل صادق آتی ہے کہ آپ عظیم مصلح، فصیح و بلیغ خطیب' بہادر اور نڈر' عظیم فلاسفر' جو صفات مذکورہ خوبیوں کی نفی کر رہی ہوں وہ آپ کی طرف منسوب نہیں ہوسکتیں' جو قرآن آپ لے کر آئے' اور آپ کی سیرت وکردار ہمارے دعوے کی سچائی کے گواہ ہیں''۔

انگریز فلاسفر سر ولیم کہتا ہے: ''یقیناً محمد (ﷺ) جو مسلمانوں کے نبی ہیں' اہل شہر کے بالاتفاق فیصلہ کے مطابق بچپن ہی سے 'امین' کا لقب حاصل کر گئے تھے' یہ مقام آپ کو عظیم اخلاق' حسن سلوک کی وجہ سے ملا' چاہے کوئی بھی خوبی کا مقام تصور کرلیا جائے' یقیناً محمد اس مقام سے عالی ہی ہیں' ناواقف آپ کے مقام کو نہیں پاسکتا' اور آپ کو اسی نے پہچانا جس نے آپ کی سنہری تاریخ کا مطالعہ کیا' یہی وہ درخشاں تاریخ ہے جو آپ رسولوں اور مفکرین کے صف اول میں بنا گئے ہیں''۔

نیز کہتا ہے: ''آپ امتیازی مقام رکھتے ہیں کہ آپ کی گفتگو بہت واضح تھی' دین آسان تھا' آپ نے حیرت ناک کامیابیاں حاصل کیں' تاریخ میں کوئی ایسا مصلح نہیں گزرا جس نے بیک وقت روحوں کو زندہ کیا ہو' اخلاق کو پروان چڑھایا ہو' اور اچھائی کے مقام کو بلند کیا ہو' اور پھر اس قدر کم وقت میں جو وقت محمد اسلام کے نبی کو ملا تھا''۔

روسی ناول نگار اور مشہور فلاسفر تولستوئی کہتا ہے: ''محمد (ﷺ) کے لیے یہی بات قابلِ فخر ہے کہ اُس نے انتہائی نیچ اور خون کی پیاسی امت کو شیطان کی بری عادتوں کے پنجوں سے نجات دی' اور ان کے سامنے ترقی کے دروازے کھول دیئے' محمد کی لائی ہوئی شریعت زمانے کی راہنمائی کرے گی' اس لیے کہ یہ عقل وحکمت کے عین مطابق ہے۔''

آسٹریا کا فلاسفر شبرک کہتا ہے: ''انسانیت اس بات پر فخر کرتی ہے کہ محمد (ﷺ) اس کا حصہ ہے' حالانکہ آپ خالص امی تھے' اس کے باوجود کئی صدیاں پہلے ایسی شریعت دے گئے کہ اگر ہم یورپی لوگ بھی اس شریعت پر عمل کرلیں تو دنیا بھر سے زیادہ خوش قسمت قرار پائیں''۔

فہرست مضامین

مختصر سیرت رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

۱	بعثت محمدی سے پہلے عرب کی حالت	3
۲	دو ذبیحوں کی اولاد....................	4
۳	ہاتھیوں کا واقعہ....................	6
۴	آپ کی پرورش....................	7
۵	شق صدر کا واقعہ....................	9
۶	والدہ اور دادا کی وفات....................	10
۷	تجارت اور شادی....................	11
۸	نبوت....................	13
۹	اعلانیہ دعوت....................	15
۱۰	ہجرت حبشہ....................	18
۱۱	معاشرتی بائیکاٹ	20
۱۲	غموں کا سال....................	21
۱۳	سفر طائف....................	22
۱۴	اور چاند دو ٹکڑے ہو گیا....................	24
۱۵	اسراء ومعراج	24
۱۶	دعوت کا نیا ٹھکانہ....................	27

۱۷	آمد مدینہ........	32
۱۸	غزوۂ بدر........	33
۱۹	غزوۂ اُحد	35
۲۰	غزوۂ خندق........	35
۲۱	فتح مکہ........	36
۲۲	وفود کی آمد اور بادشاہوں کے نام خطوط نویسی...	37
۲۳	رحلت آخرت........	38
۲۴	آپ ﷺ کا حلیہ مبارک........	39
۲۵	آپ ﷺ کے اخلاق........	40
۲۶	معجزات........	42
۲۷	سیرت النبی ﷺ سے حاصل شدہ دروس...	45
۲۸	خوش طبعی........	45
۲۹	بچوں سے سلوک........	47
۳۰	اہل خانہ سے برتاؤ........	48
۳۱	رحمتوں کی بارش........	49
۳۲	مثالِ صبر........	50
۳۳	'زہد' دنیا سے کنارہ کشی........	56
۳۴	خوراک و پوشاک........	57
۳۵	آپ ﷺ سراپا عدل و انصاف........	58
۳۶	آپ ﷺ کے بارے میں اہل فکر کی رائے..	60